دنیا کے بڑے

جاسوس سکینڈلز

مادھوری گپتا اور کلبھوشن یادیو تک

PAKISTANIPOINT
KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM
PAKISTANIPOINT

اشوک کمار شرما

World Big Spy Scandals

جملہ حقوق محفوظ

دنیا کے بڑے جاسوس سکینڈلز

By Ashok Kumar Shurma

کتاب	:	دنیا کے بڑے جاسوس سکینڈلز
مصنف	:	اشوک کمار شرما
ترجمہ	:	اختر گل
ڈیزائن	:	فیکٹ کری ایٹو ڈیپارٹمنٹ
قانونی مشیر	:	تیموری لاء ایسوی ایٹس 13 فین روڈ لاہور
قیمت	:	Rs: 500/

Fact Publications aims to promote creative
work through book publishing
More details for our publications, Visit at:
www.factpublications.com
We welcome your feed back at:
editor@factpublications.com

بہترین کتاب کی اشاعت کیلئے رابطہ کریں:
042-36374538, 0300-9482775

فہرست

☐	عرض ناشر	9
1	پولارڈ سکینڈل	11
2	یورچینکو سکینڈل	15
3	کمارنرائین سکینڈل	19
4	لارکنز برادرز سکینڈل	23
5	نوریردن سکینڈل	27
6	کموڈور گرہارڈ کا جمبو سکینڈل	30
7	تخت یا تختہ	33
8	ایس آئی ڈی سکینڈل	35
9	سچ اور جھوٹ	41
10	گٹھ جوڑ	43
11	پُراسرئیت مارٹین اور میپوت	45
12	سامتھ سکینڈل	50
13	اَبی سموزن بال سکینڈل	56

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

14	گندھرا اور گلئیوم	59
15	لی ہنگ مارچینکو	64
16	ہیتھ اور ہوم	66
17	تذبذب	69
18	خودکشیاں	73
19	جاسوس وزیراعظم	79
20	ایلیکو ہن	83
21	صندوق	87
22	کرسٹوفر واسل سکینڈل	90
23	پرفیومو کیلر	94
24	مچل اور مارٹن	99
25	بیئر/گورین سکینڈل	102
26	پورٹ لینڈ	104
27	مینچوریا ہدف	107
28	ایٹمی راز	109
29	جنگِ علمِ نجوم	113
30	بالی مین	117
31	رام سواروپ	120
32	جاسوس پوپ	123
33	بھیو بخشی کی کہانی	126

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

34	تہران دستاویزات	129
35	گروپ نمبر 47	132
36	مادھوری گپتا	135
37	کلبھوشن یادیو	144

عرضِ ناشر

قارئین کو مطالعہ کے لئے ایسے مستند اور معیاری مواد کی فراہمی جو آخری صفحات تک ان کی دل چسپی کا ضامن ہو، ہمارا مطمع نظر ہے۔کوئی بھی کتاب شائع کرتے وقت ہمارا مقصدِ اعلیٰ یہ ہوتا ہے کہ اپنے قارئین کے اعلیٰ ذوق کی ترویج کیلئے پر مغز مطالعاتی مواد فراہم کیا جائے تا کہ ان کے ذوق مطالعہ کی تسکین ہوتی رہے۔اب تک ہم نے نئے اور منفرد موضوعات پر جو کتب شائع کی ہیں۔وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔

یہ کتاب ایک مشہور زمانہ کتاب World Big Spy Scandal کا اردو ترجمہ ہے۔اس کتاب میں بھی دنیا کے کونے کونے تک پہنچنے والی مشہور زمانہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کی کارروائیوں کے بارے میں اہم مواد شامل ہے جو بڑی دلچسپی کا حامل ہے۔اس کتاب میں ایٹمی رازوں کی عالمی چوروں کی وارداتیں اور جاسوسی کے ایسے سیکنڈلز شامل ہیں جنہیں پڑھ کر قارئین دنگ رہ جائیں گے۔

کرسٹینا کیلر وہ جاسوسہ تھی جس کی وجہ سے میکمیلان جیسے پرائم منسٹر کی چھٹی ہوگئی۔گلیوم اور ایلی کوہن ایسے جاسوس کردار تھے جو وِلی برانڈتھ اور حافظ الامین جیسے حاکموں کی وجہ سے انہی کی حکومتوں کے زوال کا باعث بن گئے۔لارکنز، کومر، نرائین اور رام سواروپ جیسے کرداروں کی یہاں بھی کمی نہیں ہے جنہوں نے ملک وملت کی سودے بازی کی بہت کوششیں کیں، لیکن بالآخر پکڑے گئے اور عبرت کی داستانیں بن کر کتابوں کی زینت بن گئے۔

آپ کی آراء ہمارے لئے نہ صرف باعث حوصلہ افزائی بلکہ معاونت بھی فراہم کرے گی۔

اس کتاب میں قارئین کی دلچسپی کے لیے کچھ اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

اسلام آباد کی بھارتی ایمبیسی سے گرفتار ہونے والی خاتون ڈپلومیٹ مادھوری گپتا پر الزام یہ تھا کہ وہ اس نے کچھ حساس دستاویزات پاکستانی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی کو دیں۔ اس پورے واقعے کی تفصیل پر مبنی ایک باب کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ ایک اور باب پاکستان میں تخریب کاری پھیلانے والے بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کے پاکستان سیکشن کے ہیڈ کرنل کلبھوشن یادو کا ہے۔ کرنل کلبھوشن یادو کی گرفتاری انٹیلی جنس کی دنیا میں ایک بڑا بریک تھرو تھی۔ یہ خاصا دلچسپ باب ہے اور پڑھنے والوں کو پسند آئے گا۔ یہ دونوں باب معروف تحقیقی صحافی مقبول ارشد نے لکھے تھے جو ان کی اجازت اور شکریے کے ساتھ کتاب میں شامل کیے جا رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ کو یہ کتاب پسند آئے گی۔

ایڈیٹوریل ٹیم

1

پولارڈ سکینڈل

امریکن خفیہ ایجنسیاں یہ جان کر حیران و ششدر رہ گئیں کہ چند مہربان کردار ان کی ناک کے عین نیچے دفاعی رازوں کی چوری اور فروخت میں کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہیں۔ امریکہ کا اتحادی نمبر ایک اسرائیل تو جاسوسی میں اس حد تک آگے نکل گیا ہے جہاں تک امریکہ کا کوئی بدترین دشمن بھی نہیں جا سکا۔ اس قسم کی جاسوسی سرگرمیوں کی وبا 1985ء میں خوب پھلی پھیلی تھی۔ یہ سب کیسے ہوا؟ آیئے پڑھتے ہیں۔

امریکی محکمہ انصاف کے عہدیداروں نے نومبر 1985ء کے آخری ہفتے میں ان جاسوسی سرگرمیوں اور الزامات کی بنا پر تین فائلیں عدالت میں پیش کیں، جس سے جاسوسی وبائی قسم کا موضوع اور مواد اخبارات کے ہاتھ لگ گیا اور انہوں نے پورے امریکہ میں ایک طیش اور خبط آمیز ماحول پیدا کر دیا۔ عوام الناس کا یہ ذہن بن رہا تھا کہ امریکی مسلح افواج کے ساتھ اسلحہ، دفاعی دستاویزات اور بہت سے دوسرے قیمتی مواد کی چوری کی سازش میں روسی، چینی اور اسرائیلی خفیہ ایجنٹس سرگرم عمل رہے ہیں۔

اس راہ عمل پر سب کو سرگرم کرنیوالا کردار یو ایس بحریہ کا کا ناتھن جے پولارڈ تھا۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ یہ وہ وقت تھا جب صدر ریگن نے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ ہم نے اپنے ملک کو ہمہ قسم کی جاسوسی سرگرمیوں سے صاف کرنے کا عزم کر لیا ہے لہٰذا جو کوئی بھی ہمارے ہتھے چڑھ گیا، سخت سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

WWW.PAKISTANIPOINT.COM

ذرا تصور کریں کہ امریکہ کو اُن جاسوسی سرگرمیوں کے دائرہ کار کو کنٹرول کرنے کیلئے ساٹھ ہزار کے قریب دفاعی ملازمین کو دنیا بھر میں تعینات کرنا پڑا۔

1983ء میں ان جاسوسی سرگرمیوں میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔ امریکی جاسوسی کا سد باب ایجنسیوں کے لئے ایک مستقل دردسر بن گیا۔ 1983ء میں ان جاسوسی مقدمات کی تعداد پانچ تھی، 1984ء میں چودہ اور 1985ء میں سترہ تک پہنچ گئی تھی۔

یہ حالات دیکھ کر امریکی انتظامیہ ہل گئی اور ان حالات کی ذمہ داری وفاقی سطح پر تعینات ڈپٹی چیف تفتیشی بیورو پولار پر ڈالی گئی۔ اس ادارے کے سربراہ فلپ پارکر نے بعد ازاں ان جاسوس سرگرمیوں کے بارے میں بڑے وثوق سے کہا کہ ان کے محکمے میں کون کیا تھا اور کن سرگرمیوں میں ملوث تھا، وہ سب جان گیا ہے اور آئندہ کیلئے ایسی سرگرمیوں پر مشتمل مقدمات کا وجود تک نہیں ملے گا۔

ان جاسوس سرگرمیوں میں ملوث دوسرا کردار رونالڈ ولیم پیلٹن تھا، وہ تھا تو ماہر مواصلات مگر جاسوسی کاموں کا "گرو" مانا جاتا تھا۔

فضائی مواصلاتی جاسوسی سرگرمیوں کی جانچ پڑتال اور مشہور غیر ملکی ایجنٹوں کی آوازیں اور مکالمے وغیرہ ٹیپ کرنا ولیم پیلٹن کی ہی ذمہ داری تھی۔ ملک سے باہر بھیجے جانے والے خفیہ پیغامات کی جانچ پڑتال بھی اسکی ذمہ داری تھی لیکن اس سارے کام کے عوض اس کی تنخواہ برائے نام سی تھی۔ اسی چیز کا امریکہ کے دشمنوں نے فائدہ اٹھایا اور ولیم امریکہ کے انتہائی اہم رازوں کی منصوبہ بندیوں اور دستاویزات کی تقسیم اور ترسیل بہت آگے نکل گیا۔ اس سلسلے میں اسکے رابطے سوویت یونین سے بھی تھے۔

اس مکروہ دھندے میں اس کے ساتھ ایک اور چینی نژاد امریکی باشندہ لیری وطائی شین بھی شامل تھا۔ اسکی ذمہ داری چینی جاسوسوں کی مدد کرنا تھا۔ لیری وطائی شین نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور راتوں رات ڈالرز کے ڈھیر لگا لینے کیلئے چینی ایجنٹوں کے ہاتھ معلوماتی اور اطلاعاتی راز بیچنا شروع کر دیئے۔ جس وقت پولارڈ کے کرتوت سامنے آئے، اس کی عمر صرف 23 سال تھی اور وہ پچھلے ایک سال سے اسرائیل کیلئے بھی بحیثیت ڈبل ایجنٹ استعمال ہو رہا تھا۔

پیلٹن کی عمر چھیالیس سال تھی اور وہ پچھلے سترہ سال سے سویت یونین کا نمک خوار چلا آرہا تھا، جبکہ وطائی پینسٹھ سال کا ہو چکا تھا اور سب سے سینیئر جاسوس ہونے اور کہلانے کے اعزاز کا حقدار تھا، کیونکہ وہ تیس سال سے چین کو امریکہ کے دفاعی رازوں سے نوزاتا چلا آرہا تھا۔ پولارڈ کی پچیس سالہ بیوی اینی ہینڈرسن بھی اپنے شوہر کے اعمال میں پوری طرح ملوث تھی اور چٹھی رساں بن کر غیر ملکی ایجنٹوں کو خفیہ معلومات پہنچایا کرتی تھی۔

پولارڈ نے سٹین فورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ 1976 میں اس کا اسرائیل کیساتھ رابطہ ہوا اور 1984ء تک یعنی آٹھ سال کی آزمائشی جانچ پرکھ کے بعد اُسکی دال گلنی شروع ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ پولارڈ کے اس جاسوسی دھندے کا آغاز 45,000 ڈالرز کی اجرت کیساتھ ہوا تھا۔ اس کے مقدر میں لکھی گئی جاسوسانہ شہرت بھی اسے 1984ء میں ہی مل گئی جب وہ انتہائی اہم دفاعی منصوبہ بندیوں کی دستاویزات پر مشتمل سوٹ کیس لئے اسرائیل میں قدم رکھتے ہی رنگے ہاتھوں دھر لیا گیا تھا۔ اس موقع پر ایک امریکن ایجنٹ نے طنزیہ کہا تھا کہ ان کی اپنی بلی کسی دوسرے گھر میں گھستی ہوئی گھیری گئی۔ اس کی بیوی بھی اگلے دن ہی گرفتار ہو کر اپنے مجازی خدا کے پاس مزید عبادت اور ریاضت کیلئے جیل بھیج دی گئی۔

امریکہ میں متعین اسرائیلی سفیر میر روسین بھی پولارڈ کا دوست تھا اور اس نے پورے وثوق سے کہہ دیا کہ جس قسم کی بھی دستاویزات اسرائیل گئی ہیں وہ امریکہ کو واپس لوٹا دی جائیں گی اور پھر اس وقوعے کی آڑ میں کسی بھی اسرائیلی عہدیدار کو امریکہ بدر نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اسکی یہ پیشگی خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ امریکی حکومت نے عین رابد اور جوزف یا گور کو امریکہ بدر کر دیا۔ وہ دونوں اسرائیلی سفارت خانے میں سائنس کے مشیر تھے۔ اس طرح وہ امریکی دستاویزات بھی وہیں کی وہیں رہیں جہاں جا چکی تھیں۔

اس پورے معاملے کی اسرائیلی حکومت نے تحقیقات کیں تو اسرائیلی کابینہ میں یہ انکشافات ہوئے کہ پولارڈ نے امریکہ کی طرف سے عرب ممالک کو فوجی ساز و سامان پہنچائے جانے کی دستاویزات اسرائیل کے حوالے کی تھیں اور اس میں تو شک و شبے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ تھی کہ

عرب ممالک اپنے وجود کیلئے اسرائیل کی موجودگی کو ایک ناسور سمجھتے تھے۔ ان دستاویزات میں براہ راست اسرائیل جاسوسی اقدامات کے خلاف معلومات بھی تھیں۔ ایف بی آئی کی اندرونی تحقیق کے مطابق، پولارڈ، پیلٹن اور شین نے فرضی ناموں سے بھی بڑی بڑی سرمایہ کاری کی ہوئی تھی۔ اس سے یہ خیال لگایا گیا کہ امریکہ کیساتھ ایسے جاسوسی چکر چلانے والے کرداروں کی پشت پناہ کوئی غیر ملکی ایجنسی ہی ہوسکتی ہے اور اس سلسے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنیوالا ایک کردار یور چینیکو تھا۔ اس کی کارکردگی کے دو بھرپور پہلو تھے، یعنی اول یہ کہ وہ امریکہ اور اس کے دوست ممالک چین اور اسرائیل کے درمیان نفاق ڈالنے میں ماہر تھا اور دوسرا یہ کہ لگائی بجھائی کے اس وطیرے میں اس کے پاس معلومات کا بھی ایک خزانہ تھا۔

اس سلسلے میں پیلٹن کا کردار بھی کافی متجسس اور توجہ طلب تھا۔ اس نے روس کو وہ کوڈ نمبرز دیئے تھے جو امریکی خلائی سٹیلائیٹس سے رابطے میں استعمال ہوتے تھے اور اس نے روس کو اس کے ان مقامات کی نشاندہی بھی کرادی تھی جو امریکہ کی پیش قدمی میں پیش پیش تھے۔ یہ بھی پیلٹن کی قابلیت کی دلیل تھی کہ اس نے روس کو یہ بھی باور کرادیا تھا کہ جن کوڈ نمبرز میں وہ پیغام رسانی کرتے ہیں اس سے امریکی بھی آگاہ ہیں اور اسی کی اس اطلاع کاری سے روسی اپنے لائحہ عمل میں محتاط ہو گئے تھے۔

پیلٹن کے روس سے بڑے ہی باعزت تعلقات تھے۔ وہ 1980ء اور 1983ء کے دوران دورے پر ہوتا تو وی آنا میں اس کا قیام روسی سفیر کے پاس ہوتا۔ وہ کسی ہوٹل میں قدم تک نہ رکھتا۔ کیسی حیرت اور لطف کی بات ہے کہ پیلٹن کا ہی کوئی ہم منصب اور کرتوت کا روسی کردار امریکہ کیلئے یہی کام کرتا تھا جو پیلٹن روس کیلئے کرتا تھا، لہٰذا امریکہ بھی باخبر رہا کہ، پیلٹن کہاں کہاں جاتا، رہتا اور کرتا ہے؟ اس دنیائے جاسوس سازی کے بھی عجب ڈھنگ ہیں۔ کسی بھی قسم کے اصول و اخلاقیات اور عہد و پیمان کو اہمیت نہیں دی جاتی ہے۔

2

یورچینکو سکینڈل

سرجیو وچ یورچینکو کی کہانی الف لیلوی قسم کی لگتی ہے۔یورچینکو روسی انٹیلی جنس ایجنسی کے جی بی میں ڈپٹی ڈائریکٹراور شمالی امریکہ کی جاسوسی سرگرمیوں کا انچارج تھا۔سی آئی اے کے مطابق وہ سی آئی اے کے طریقہ کار کی تجزیہ کاری کیلئے سازش کے تحت امریکہ آیا تھا۔یورچینکو ایسا جاسوس تھا جس نے پہلے کے جی بی کی کارروائیوں کا انکشاف کر کے امریکہ میں پناہ حاصل کر لی اور امریکہ کے لئے کام شروع کر دیا۔اور پھر امریکہ کی ہی جڑیں کاٹنے لگا۔

یورچینکو جیسے ماہر جاسوس کے اس طرح اپنے پاؤں سے اکھڑ جانے پر امریکیوں کو ایک حیرت انگیز خوشی ہوئی کیونکہ جاسوسی کی دوسوسالہ تاریخ میں پہلی بار کسی اتنے اونچے پائے کا جاسوس ان کے ملک میں پناہ گزیں ہوا تھا۔اس کے متنازعہ وجوداور انحرافی کردار نے روسیوں کی جاسوسی سرگرمیوں میں امریکیوں کیلئے معلومات کے نئے دریچے کھول دیئے بلکہ دیگر دوست ممالک جوروسی سرگرمیوں کے محور تھے، کیلئے بھی وہ کردار سودمند ثابت ہوا۔اس دن یورچینکو کی زبانی جوانکشافات ہوئے اس سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا بھر میں سی آئی اے کی پیش قدمیوں کو تہس نہس کرنے کیلئے روس نے بہت بڑی منصوبہ بندی کر رکھی ہے، جس سے سی آئی اے کی ہیت اور حیثیت دوٹکے کی ہو کر رہ جاتی۔

سیاسی وجوہات کی بنا پر وہ امریکہ میں ہی کسی دارالامان کی اقامت کا خواہشمند تھا اور اس کی یہ خواہش پوری بھی کر دی گئی تھی۔ دورانِ تفتیش اسے کئی زاویوں سے پوچھا پرکھا گیا اور اس نے زیادہ تر سچ ہی اگلا۔

ورجینیا میں 2 ماہ تک قیام تک اسے باہر کے مقامات پر بھی سی آئی اے اہلکار لے جایا کرتے تھے اور ایسے ہی دورے کے دوران جارج ٹاؤن کے ایک ریستوران سے وہ غائب ہو گیا۔ سی آئی اے عہدیداران کا کہنا تھا کہ اس سے ناروا سلوک رکھا جاتا تھا اور پھر اس کے یوں دائیں بائیں ہو جانے کو ضرورت سے زیادہ ہی اچھالا بھی گیا۔ یہ بھی قدرتی امر ہے کہ اس کے بچے روس میں تھے جن کی یاد نے بھی یقیناً اسے ستایا ہو گا اور پھر اوپر سے سی آئی اے کا ناروا سلوک۔ شروع شروع میں تو اس کی زبان سے اپنے بچوں اور اپنے ملک کے متعلق کوئی اچھے کلمات سنائی نہ دیتے تھے۔ امریکہ میں قیام کی وجہ کینیڈا میں مقیم اس کی محبوبہ تھی لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ اس نے اوپر کی منزل سے نیچے کود کر خودکشی کر لی ہے تو پھر امریکہ تو کیا یورچینکو کیلئے ساری دنیا میں ہی رہنا محال ہو گیا۔

یورچینکو نے دوبارہ راہ فرار اختیار کی اور روس پہنچ گیا۔ روس پہنچ کر اس نے کئی کہانیاں سنائیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اسے دوائیوں کے زیر اثر نیم بیہوش حالت میں ریاست ورجینیا کے شہر فریڈرکس برگ کے قریب تین ماہ تک قید تنہائی میں رکھا گیا تھا اور پھر مجھے سب کچھ اگل دینے پر ایک ملین ڈالرز کا لالچ بھی دیا گیا۔ پھر نیم بیہوش حالت میں ہی مجھے ڈائریکٹر سی آئی کیساتھ رات کے کھانے پر بھی لایا گیا۔ چینکو کے مطابق اسے اس مقام اور حالت تک پہنچانے والے اُس کے اپنے ہی تھے۔

امَن عالم، جوہری ہتھیار اور دوسرے بین الاقوامی موضوعات جب جینوا میں روس اور امریکی سربراہان کے درمیان زیر بحث آتے تو پھر ایسے کردار اور ان کے کارنامے بھی ضرور ابھر کر سامنے آتے لیکن یہ عیاں نہ ہو سکا کہ ان بحثوں کی برکت سے یا پھر کسی دوسرے طریقے سے تین روسی پناہ گزین ایک ایک کر کے روس چلے گئے تھے۔ جہاں تک یورچینکو کے فرار کا معاملہ

ہے تو اس کیس میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سی آئی اے کی سختیوں سے تنگ آ کر راہ فرار اختیار کر گیا تھا۔

بعض تفتیشی ماہرین یہ بھی کہتے ہیں کہ سی آئی اے کی جتنی بھی سراغرسانی اور جاسوسی یورچینیکو کو درکار تھی وہ تین ماہ میں مکمل ہو گئی اور پھر اس نے واپسی اختیار کر لی۔ اس سلسلے میں اگر یورچینیکو کی بیان کردہ الف لیلیٰ پر یقین کیا جائے تو کوئی خاطر خواہ بات بنتی نظر نہیں آتی، بلکہ وسیع النظری سے دیکھا جائے کہ ایسا جاسوس کار کردار تین ماہ کی مدت میں کیا کیا کچھ پیٹ بھر کر واپس روس جا سکتا ہے تو بات کوئی معنی مفہوم بھی دے جائے گی۔

سی آئی اے نے بھی بعدازاں اس امر کی تصدیق کر دی کہ فریڈرکس برگ میں یورچینیکو کو قید تنہائی اور نشے کی حالت میں رکھا گیا تھا اور اسے کئی ملین ڈالرز کا لالچ بھی دیا گیا تھا۔ پھر اسے سی آئی اے کے ڈائریکٹر ولیم کیسی کے سامنے حاضر کیا گیا مگر اس سے تفتیش کرنے والوں نے کہا کہ یورچینیکو نے ایک بھی کارآمد حقائق سے آگاہی نہیں دی تھی۔

اس دوران یورچینیکو کے متعلق یہ حقائق بھی سامنے لائے گئے کہ اسے کینیڈا میں تعینات ایک روسی سفارتکار کی بیوی سے والہانہ عشق ہو گیا تھا مگر یورچینیکو اس سے کسی قسم کا تعاون اور رفاقت کاری سے انکار کرتا رہا۔ امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان نے ایک اور بھی انکشاف کیا کہ یکم اگست کو یہی یورچینیکو روم بھی امریکی سفارت خانے کی دہلیز پر بھی نظر آیا تھا۔

یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا کہ کسی روسی تخریب کار نے واویلا کیا ہو کہ اسے منشیات میں مطلوب کر کے اغوا کر لیا گیا۔ کچھ عرصہ قبل اولیگ بیٹو نامی ایک روسی جرنلسٹ نے بھی ایسا ہی واویلا کیا تھا کہ اسے برطانوی ایجنٹوں نے منشیات میں مطلوب قرار دے کر کے اغوا کر لیا اور آخر کار اسے بھی روس واپسی کی راہ پر روانہ کر دیا گیا تھا۔ بعض ذمہ دار عہدیداروں کے مطابق یورچینیکو کی امریکہ آمد اور پھر واپسی تک کا سارا ڈرامہ کے جی بی ہی کے ہی ایک منصوبے کا حصہ تھا۔

کچھ عرصہ قبل کے جی بی کے سربراہ گورڈی اولیگ ہیوسکائی نے لندن میں ایسی ہی کاروائیوں کا سہرا اپنے سر لینے کی کوشش کی تھی تو اسے فی الفور ماسکو میں تفتیش کے لئے طلب کر لیا

گیا تھا، مگر مئی جون 1985ء میں برطانوی ایجنٹس کی بہادری ہی دیکھئے، جنہوں نے اولیگ گورڈی کو کے جی بی کی حراست سے واپس چھڑا لیا، جس سے روسیوں کو یقینا ایک دھچکا لگا تھا اور انہوں نے اسی قسم کا کوئی ڈرامائی ڈھونگ رچا کر سی آئی اے کو نیچا دکھانے کیلئے یورچینکو کے کردار کو سٹیج پر چڑھا دیا۔

یورچینکو والے ڈرامائی ڈھونگ کا جس مرضی زاویئے اور پہلو سے موازنہ اور معائنہ کر لیں۔ جاسوسی کی تاریخ میں اس قسم کا ڈھونگ ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملے گا۔ بس ذرا یہ مشکل پیش آ رہی تھی کہ آیا یورچینکو اپنی مرضی سے یہ ساری اداکاری کرتا چلا آ رہا تھا یا کہ وہ واقعی اغوا شدہ اور مظلوم تھا۔ کے جی بی کا یہ منصوبہ سامنے نہیں آ سکا کہ اس ساری ڈرامہ سازی کے پیچھے اس کا اصل مقصد کیا تھا۔

3

کمار نرائین سکینڈل

بھارت میں متعین امریکی سفیر جان گلبریتھ کے مطابق انڈین افسر شاہی میں سے کسی بھی جاسوسی کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔ اس وقت تو اس قسم کی بیان بازی بڑی عجیب معلوم ہوئی لیکن جب یہ کمار نرائین سکینڈل سکینڈل سامنے آیا تو جان گلبریتھ کے اس بیان میں حقیقت معلوم ہوئی۔ یہ ایک ایسی حیران کن جگ بیتی ہے جس کے تانے بانے بھارت کے قصر صدارت اور وزیر اعظم سیکریٹریٹ تک نظر آتے ہیں۔

یہ بھارت میں یوم دفاع کا دن تھا اور آرمی ہیڈ کوارٹر ہندوستان کی ممتاز شخصیات سے جگ مگ کر رہا تھا۔ صدر اور وزیر اعظم دونوں ہی جلوہ افروز تھے اور کابینہ کے سینئر ترین اراکین، فوجی افسران، اعلیٰ ترین حکومتی عہدیداران مختلف سفارتکاروں سے کندھے ملاتے پھر رہے تھے۔ ڈاکٹر پی سی الیگزینیڈر، سپیشل سیکریٹری وزیر اعظم، سیکرٹری دفاع برائے پیداوار سے ہی فراغت نہ پا رہا تھا۔ فرانسیسی سفارت خانے کے ملٹری معاون کرنل ایلن بولے بھی کہیں ان کے پاس ہی کھڑا تھا۔

ہندوستان کی ایجنسیوں کے بیسیوں عہدیداران بھی وہاں حاضر تھے اور نگاہیں تقریباً سب کی ادھر ہی لگی ہوئی تھیں۔ چوبیس گھنٹے خاص الخاص اور سخت قسم کی نگرانی کا سلسلہ قریباً دو ماہ سے جاری تھا اور دو دنوں سے تو کچھ زیادہ سخت اس لیے تھا کہ آزادی کی تاریخ سے تاحال ہندوستان میں کوئی جاسوسی سکینڈل اس حد تک نمایاں نہیں ہو پایا تھا۔ یہ 15 جنوری 1985ء کا دن تھا۔

اگلے روز 16 جنوری کی رات انٹیلی جنس بیورو نے 16 ہیلے روڈ پر واقع ایس ایل ایم مانک لال کے دفاتر پر چھاپا مارا۔

اس فرم نے مغربی یورپ کو بہت ساری صنعتی مشین اور مشین کار فراہم کئے تھے۔ ایس ایل ایم فرم کے تعارف میں ان چند ہی سالوں میں حیرت انگریز ترویج وترقی بھی شامل تھی۔ ہوا یوں کہ دو شخص وہاں سر عام شراب پی کر ڈانواں ڈول حالت میں گرفتار کئے گئے، جن میں سے ایک مانک لال فرم کا سرکردہ افسر کمار نرائین اور دوسرا پرسنل اسسٹنٹ ٹو پرنسپل سیکرٹری برائے وزیر اعظم جی گوپالان تھا۔ اس کے بعد جگدیش چندر اُروڑہ کو بھی اس کی رہائش گاہ سے گرفتار کرلیا گیا، بلکہ سوتے سے جگا کر گرفتار کیا گیا۔ مسٹر اروڑہ سیکرٹری دفاع برائے پیداوار کا پرنسل اسسٹنٹ تھا۔ 17 جنوری کو بھی چھاپے اور گرفتاریاں ہی ہوتی رہیں اور 18 جنوری تک کہیں یہ کام مکمل ہوا۔

18 جنوری 1985ء کو اس وقت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی نے پارلیمنٹ کو ساری رام کہانی سمجھائی۔ اتنے زیادہ افسران کا اس مکروہ دھندے میں شامل ہونا اور بد نیتی پر مبنی کردار سامنے آنے سے راجیو گاندھی بھی اندر سے ہل گیا تھا۔ کیونکہ ایسے افسران جنہیں حکومتِ وقت کی بیساکھیاں سمجھا جاتا تھا، اس قدر ناقص اور غدارانہ حکمت عملیوں کے حامل ثابت ہوئے تھے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ مختلف ایجنسیوں کے ماہرین نے مختلف انداز سے تفتیش کا آغاز کرتے ہوئے فرانسیسی ملٹری معاون سفارتکار کو تو ملک بدر کر دیا لیکن بھارتی حکومت نے ایک دفعہ تو اتنے بڑے بڑے افسران کے یہ کرتوت دیکھ کر اپنا سر پکڑ لیا۔

پرنسپل سیکرٹری برائے وزیر اعظم ڈاکٹر پی سی الیگزینڈر کا پرنسل اسسٹنٹ ٹی این کھیر، صدر ذیل سنگھ کے پریس سیکرٹری کا اسسٹنٹ ایس شنکران، وزیر اعظم سیکرٹریٹ کے دو قیمتی مہرے او دائی چند اور رائے ملہوترا، اکنامکس افیئرز ڈیپارٹمنٹ کا اسسٹنٹ جگدیش تیواڑی جیسے کرداروں کے کرتوت سامنے آجانے پر حکومت اور وزیر اعظم راجیو گاندھی کا ہل جانا بھی بعید از منطق نہ تھا۔ ٹی این کھیر، اپنے اس عہدے پر اور بھرپا میوش کالونی کی رہائش گاہ میں اٹھارہ سال سے تھا۔

گوپلان رام کرشنا پورم میں رہائش پذیر تھا، کمارنرائین ڈیفینس کالونی جیسی پوش آبادی میں اپنے ذاتی دومنزلہ گھر میں مقیم تھا بلکہ مہراؤلی علاقے میں وہ تو ایک زرعی فارم کا بھی مالک تھا۔ایک تسلی بخش قسم کی تفتیش کاری کے بعد پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ اس ساری ٹیم کا سربراہ کمارنرائین نکلا، اسے اس سارے مکروہ دھندے اور جاسوسی کے عوض ماہانہ ستر ہزار ملتا تھا۔وہ سولہ جنوری کی رات ہیلے روڈ پر واقع اپنے آفس سے گرفتار ہوا تو اسکے دست راست گوپلان کے بریف کیس سے تین بڑی حساس اور رازدارانہ قسم کی دستاویزات بھی ملی تھیں اور جن پر باقاعدہ ''سیکرٹ'' لکھا ہوا تھا۔

17 جنوری کی رات کمارنرائین کے آفس سے ملنے والی مزید دستاویزات یہ تھیں۔

1: ''را'' (RAW)، انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ اور وزارت دفاع کی حساس ترین خفیہ دستاویزات۔

2: تیئس بوتلیں فارن اسکاچ، مالیت ایک لاکھ دو ہزار آٹھ سو نوے، بدست ڈپٹی سیکریٹری کیبنٹ سیکریٹریٹ بطرف پرنسپل سیکریٹری برائے وزیراعظم۔

3: ''را'' کی تجزیاتی اور تحقیقاتی رپورٹ کی دستاویز۔

4: انتہائی جاندار خفیہ دستاویز بدست شری آر کے بھاٹیا ڈپٹی ڈائریکٹر انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ بطرف پرنسپل سیکریٹری الیگزنیڈر تھی۔(یہ دستاویز دہشت گردوں کی سرگرمیوں اور انکی سرکوبی سے متعلقہ تھی اور تب تک ملنے والی تمام تر دستاویزات میں سے حساس ترین دستاویز تھی۔) انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ کی پندرہ جنوری 1985ء کو ملنے والی رپورٹ میں چند تقریری اقتباسات بھی شامل تھے۔

5: بنام سپیشل سیکرٹری رپورٹ برائے انسیٹ سیٹلائیٹ سپیس ڈیپارٹمنٹ بدست ڈاکٹر یو آر راؤ۔(بھی ایک اہم ترین دستاویز تھی اور اسی کی ایک اصل کاپی رومیش بھنداری سیکرٹری خارجہ کے نام بھی تھی۔)

6: نزدیکی اونچائی کی حد تک خودکار معلوماتی آلے کی راڈار سسٹم میں تنصیب سازی پر وزارت دفاع میں سیکریٹری برائے پیداوار کی طرف سے لکھی ہوئی 15,1,85 کی دستاویزات کی کاپی۔

7: ٹیلیکس نمبرز، 00584,00578/00577/0317,00567 کے تحت دفتر خارجہ کیلئے بھیجی جانیوالی مرکزی کوڈ زبان پر مشتمل رازدارانہ پیغامات کی تفصیلات۔

8: سترہ جنوری، 1985 کو وزیراعظم کی مصروفیات کی تفصیل کی کاپی، بشمول متعلقہ دن، متعلقہ ملاقاتی، وزیراعظم کے ناموں کی فہرست وغیرہ۔

بھارتی حکومت نے اس موضوع پر اکیس سو صفحات پر مشتمل ہے ایک سو اٹھاسی گواہان کی مدد اور معاونت سے تیار کردہ مواد عدالت میں پیش کیا۔ اس مواد میں اکثر لوگوں کے حلفیہ بیانات بھی شامل تھے کہ متذکرہ گروہ کے لوگ 1972 سے اُن مذموم کارروائی میں سرگرم عمل چلے آرہے تھے۔ ان مذموم سرگرمیوں کی کچھ بھنک پاکر وزیراعظم آنجہانی اندرا گاندھی نے 1982 میں صدر سیکرٹریٹ کی نگرانی سخت کردی تھی۔ جبکہ انٹیلی جنس کو ستمبر 1984ء میں اس گروہ کی مذموم گرد اڑتی ہوئی معلوم ہوگئی تھی اور اس اڑتی گرد کے بگولوں سمیت اس گروہ میں شامل گردنوں کا ناپ تول لیا گیا تھا مگر اندرا گاندھی کے سیاسی قتل کی وجہ سے اکتیس اکتوبر 1984 کے بعد بھی وہ ہاتھ کہیں اور مصروف کار رہے۔

4

لارکنز برادرز سکینڈل

کمار نرائین گروہ کی جاسوسی سرگرمیاں اعلیٰ ترین حکومتی افسران کے در پردہ گٹھ جوڑ کی وجہ سے ایک ٹھیک ٹھاک قسم کا جاسوسی سکینڈل بن گئی تھیں کیونکہ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ایک بھارتی فوج کا ایک ریٹائرڈ میجر جنرل اور ایک ریٹائرڈ انڈین ایئر وائس مارشل اپنے ہی ملک کے دفاعی رازوں کی فروخت میں ملوث ہوں گے۔ اس مکروہ دھندے کی دوڑ میں سب کا پسینہ سیاہ اور خون سفید تھا۔ اعلیٰ اور اونچے عہدوں کی وجہ سے نیچے سے اوپر تک ہر بند دروازہ ان کیلئے باآسانی کھل جاتا تھا۔ اس لئے ان پر ہاتھ ڈالنا بظاہر بہت مشکل رہا مگر وہ ایک دن اپنے ہی بنے اور بچھائے ہوئے جال میں ایک ایک کر کے پھنستے چلے گئے۔

گروپ کیپٹن جسجیت سنگھ کی رہائش پر اس کے اردلی نے فون اٹھا کر فون کرنے والے سے اس کا تعارف چاہا تو وہ تعارف اس کے سماعتی معیار پر بھاری پڑا۔ جسجیت سنگھ نے وہ بوجھ اپنے ہاتھ میں لیا تو بوجھ بننے والے صاحب ایئر وائس مارشل کے ایچ لارکنز تھے۔ ایئر وائس مارشل صاحب نے اس سے جلد از جلد ملاقات کرنی چاہی اور کہا کہ کیوں نہ اسی دن ہی اشوکا ہوٹل میں لنچ ہو جائے۔ گروپ کیپٹن جسجیت سنگھ نے اس سے وقتی طور پر پیچھا چھڑاتے ہوئے کہہ دیا کہ آج تو وہ بہت مصروف ہے۔ دوسری جانب وہ ایئر وائس مارشل بھی ''نہ'' سننے کا عادی نہیں تھا، سو اگلے دن

کی ملاقات اور کھانے پر اس نے مسٹر سنگھ کو بہر حال پابند کر ہی لیا اور وہ بھی بہر حال قائل ہو ہی گیا۔ ذہنی طور پر مسٹر سنگھ بھی آرمی ماحول میں ہی ملبوس اور مغلوب تھا جہاں سینئر، سینئر ہی ہوتا ہے، لہٰذا، 23 مارچ 1983ء کو وہ اپنے اس سینئر کیساتھ کھانا کھانے اشوکا ہوٹل پہنچ گیا۔

مسٹر سنگھ پر ایئر وائس مارشل کے ایچ لارکنز کا ایک یہ بھی اثر تھا کہ وہ 1968ء میں اُس کی کمان میں سکواڈرن لیڈر رہا تھا۔ مگر یہ لنچ ایئر وائس مارشل کو انتہائی مہنگا پڑا، کیونکہ وہ اپنی جاسوسی سرگرمیوں پر سے پردہ بھی اٹھا بیٹھا اور کیپٹن سنگھ کے پلے میں بھی کچھ نہ پڑا۔ اس پر ہر ترغیب رائیگاں رہی۔ لنچ کرنے اور پینے پلانے کے بعد لارکنز نے اپنے موضوع کا منہ کھولا۔ مسٹر سنگھ کے آگے اس نے ایک فہرست رکھ دی کہ اگر وہ یہ دستاویزات مہیا کر دے تو اسے بیس ہزار فی دستاویز ملے گا اور اگر وہ تعاون جاری رکھے گا تو اسکے ساتھ بھی تعاون جاری رہے گا۔ اس دوران جب مسٹر سنگھ نے مذکورہ دستاویزات کے اغراض و مقاصد معلوم کرنے چاہے تو کہا گیا کہ متعلقہ دستاویزات اسرائیل کو چاہئیں۔ اگلی ہی صبح مسٹر سنگھ نے اپنے حاضر سروس ایئر وائس مارشل ایس رگھو یندرا کو تمام تر صورت حال بتانے کیلئے ذہن بنالیا۔ لارکنز جو کہ ایسے ذمہ دارانہ عہدے پر فائز رہ چکا تھا، ایسی ویسی غیر ذمہ دارانہ اور غدارانہ سرگرمیاں سن کر اس وقت کا ایئر وائس مارشل رگھو یندرا حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔

یہ معاملہ ہائی کمان تک پہنچ گیا جہاں انٹیلی جنس افسران نے طے کیا کہ اسے اس کی مطلوبہ دستاویزات میں سے ایک آدھ دیدی جائے اور پھر اس سے وابستہ گندی مچھلیوں پر ایک ہی دفعہ جال پھینکا جائے۔ 4 اپریل کو لارکنز اپنے مطلوبہ مواد کے حصول کیلئے پچاس روپے کی کرنسی میں دس ہزار کی رقم لیکر گروپ کیپٹن جسجیت سنگھ کی رہائش پر پہنچا اور مزید حوصلہ افزائی کیلئے کہا کہ اگر وہ اس طریقہ کار پر چلتا رہا تو لاکھوں میں ہو گا۔ لارکنز بیچارہ بے خبر تھا کہ را اور دوسری انٹیلی جنس ایجنسیاں اسکے پاؤں پہ پاؤں رکھے چلی آرہی ہیں۔

اس مقصد کے لئے اس نے اپنے بڑے بھائی ایف ڈی لارکنز کا گھر بھی استعمال کیا۔ اس کا

بھائی شگفتلا اپارٹمنٹس میں موجود سنڈیکیٹ بینک تک بھی دوڑ دھوپ کرتا نظر آیا تھا۔ اسی دن شام چار بج کر پینتالیس پر ملٹری انٹیلی جنس اور "را" نے گور گون روڈ پر لارکنز کو ایک بریف کیس اٹھائے پالام ایئرپورٹ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔

میجر جنرل ایف ڈی لارکنز نے سوبروتو پارک کے قریب اپنی گاڑی پارک کی اور یوں ٹہلنے لگا، جیسے کسی کے انتظار میں ہو۔ فی الفور ہی ایک گاڑی دوسری سمت سے آئی اور اس میں سے ایک غیر ملکی برآمد ہوا، جسے لارکنز نے ایک کاغذات کا پیکٹ دیا اور اس نے اس کو رقم کا پیکٹ دیا۔ سراغ رساؤں کی نظریں ان دونوں بھائیوں پر قریباً نو ماہ سے تھیں۔ اُن کے فون ٹیپ ہوتے رہے، درمیان میں رابطہ کرنے والے لوگوں سے رابطے ہوتے رہے اور تصویریں خفیہ طریقوں سے حاصل کی جاتی رہیں۔

اسی دوران کسی نہ کسی طریقے سے لارکنز برادرز کو بھی پتہ چل گیا کہ ان پر آہنی ہاتھ پڑنے ہی والا ہے۔ امریکی سفارت خانے سے انکے دو قریبی عہدیداران کو انڈیا سے ہی چلتا کر دیا گیا، اُنکے نام، تھائی بولٹ اور پال کنلے پٹمین تھے۔ لارکنز برادرز نے بھی آسٹریلیا جانا چاہا مگر اپنی اپنی بیویوں کی سالگرہ پرواز چڑھاتے ہوئے ان کے پر کاٹ دیے گئے۔ اسی رات میجر جنرل لارکنز ایف ڈی کے گھر سے ملنے والی بغیر لائسنس رائفل، غیر ملکی شراب اور تمام تر قابل اعتراض مواد قبضے میں لے لیا گیا۔

لارکنز آفیسرانہ راز داری ایکٹ، اسلحہ ایکٹ اور ایکسائیز ایکٹ کے تحت حراست میں لیا گیا تھا، بعد ازاں اس نے خواہش ظاہر کی کہ اُسے اُس مقدمے میں ایک معاون سمجھ کر اپنے کرتوت اور کارنامے مرتب کرنے کی اجازت دی جائے۔ پھر اس نے کورٹ کو بتایا کہ اپنے بھائی کے ایچ لارکنز کیساتھ مل کر وہ چار امریکن ایجنٹوں کو وہ دفاعی راز فروخت کرتے رہے۔ ان کے ایک اور ساتھی لیفٹیننٹ کرنل جسبیر سنگھ گل نے ان چار امریکی ایجنٹوں کے بھی نام دے دیئے، یعنی جیکی، جان، بن اور بڈ وغیرہ۔ اس نے بتایا کہ امریکہ آنے والے آرمی چیف کے متعلق بھی بڑا متجسس تھے۔

سری نگر لہی روڈ پر رات کی گشت میں بھی ان کی بڑی دلچسپی رہی اور خاص طور پر بیرونی

ممالک سے تربیت یافتگاں اور اسلحے کی آمد برآمد میں متعین آفیسران سے گٹھ جوڑ کے بھی وہ بڑے خواہاں تھے۔ وہ انڈین افسران کو تربیت دینے والے روسی افسران کی تعیناتیوں تک جاننا چاہتے تھے اور اس سارے کام کے بدلے میں اسے تیس ہزار ماہانہ ملتے تھے۔ 4 اپریل کو لارکنز نے جو پیکٹ باہر دیا تھا وہ روسی مگ 21 سے متعلقہ تکنیکی معلومات پر مبنی تھا جس کے بدلے میں اسے بیس ہزار ادائیگی ہوئی تھی۔

امریکی ایجنٹوں کے مطالبے پر ایئر وائس مارشل نے ایئر ہیڈ کوارٹر کی نوے منٹ تک کیلئے سیاحت کی، جس کی بعدازاں رجسٹر داخلہ سے تصدیق ہوگئی۔ لیفٹیننٹ کرنل جسبیر سنگھ جب تک لارکنز برادرز سے مل کر کام کرتا رہا اُسے صرف ایک ہزار روپیہ فی دستاویز ملتا رہا۔ اُس نے 1980ء میں یہ کام شروع کیا تھا اور بطور خاص T-22 روسی ٹینکوں اور دوسرے آلات کی معلومات کے حصول پر کی کوشش کرتا رہا اور کئی ایک دیگر افسران بھی اس کے مددگار رہے۔ بعداز ریٹائرمنٹ، جبر سنگھ، جسبیر سنگھ کی ملازمت میں چلا گیا جو کہ از خود امریکہ کا جاسوس تھا اور جس کی خانہ تلاشی پر بہت ساری حساس اور قیمتی دستاویز قبضے میں لی گئیں۔

5

نوریردن سکینڈل

1983ء میں ایران کے عظیم راہنما آیت اللہ خمینی نے اچانک تودیح پارٹی TUDEH کو تحلیل کردیا، جسکی ایران ریڈیو نے وجہ یہ بتائی کہ اس پارٹی کا سیکریٹری جنرل روسی ایجنٹ ثابت ہوگیا تھا۔ ہزاروں سیاسی کارکنوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ انتہا یہ ہوئی کہ عوام میں سے بھی بعض لوگوں کو پھانسیاں دے دی گئیں۔ ایران میں جنم لینے والی جاسوسی کہانیوں میں یہ بھی خاصی سنسنی خیز تھی، جس میں ایرانی بنیاد پرستوں، برطانویوں اور روسیوں کے اپنے اپنے اور الگ الگ کردار ہیں۔

عظیم ایرانی روحانی رہنما آیت اللہ خمینی نے مئی 1983ء میں ریڈیو خبروں میں تودیح TUDEh پارٹی کو تحلیل کرنے کی خبر دے کر دنیا کو حیران کردیا کیونکہ خمینی کے بقول وہ غیر ملکی ایجنٹوں کی آماجگاہ بن گئی تھی۔ پارٹی کے سیکریٹری جنرل نوریدن کینوری نے تسلیم بھی کرلیا کہ وہ 1945ء سے روسی ایجنٹ اور جاسوس کی حیثیت سے کام کرتا چلا آرہا ہے۔

تمام مشکوک اشخاص کو نہ صرف گرفتار کرلیا گیا بلکہ بعد از ثبوت ان کی پھانسیاں بھی یقینی ہوگئیں اور اٹھارہ کے قریب روسی اشخاص کو دو دن کے اندر اندر انہی مذموم کرتوتوں کے عوض ایران چھوڑ دینے کا حکم دے دیا گیا۔

ایران میں رونما ہونیوالے ان واقعات نے دنیا کو حیران کر کے رکھ دیا، کیونکہ آیت اللہ

خمینی کے قدم جمانے اور ہاتھ مضبوط کرنے میں روس کا بھی ہاتھ رہا تھا اور ایران کا یوں روس کی طرف پیٹھ پھیر لینا باعث حیرانگی ہی تھا۔

ان تمام تر حالات وحادثات کی ذمہ داری ایران میں روسی سفارتخانے میں متعین کے جی بی کے نامور ایجنٹ والا دیمیئر اینڈ ریوچ کارکیچن کے سر تھی، کیونکہ اسکے ایرانی کمیونسٹوں سے اچھے تعلقات تھے۔ وہ فارسی زبان میں ماہرانہ گفتگو کرنیوالا ایک مفکر قسم کا انسان تھا اور برطانوی استقامت پذیری کا ناقد بھی تھا جس کی وجہ سے برطانوی بھی اس کے خلاف تھے اوران کا ایرانی حکومت سے سمجھوتہ تھا کہ اگر وہ کارکیچن تک رسائی میں مخلص ہیں تو پھر وہ روسی کمیونسٹوں کی سرگرمیوں سے ایران کو آگاہ رکھنے میں یقینامددگار رہوں گے۔

انہی حالات میں پنہاں خوف خطرے کی بو پاتے ہی جولائی 1982ء میں کارکیچن ایران سے غائب ہوگیا۔ اسکی گاڑی انٹیلی جنس ہیڈکوارٹر کے باہر کھڑی نظر آئی۔ اکتوبر 1982ء کو وہ لندن میں نظر آیا، یعنی براستہ پیرس چھپتا چھپاتا دو ڈھائی ماہ میں منزل پر پہنچا اور اس طرح وہ تودیح TUDEH پارٹی اوراس کے کمیونسٹ خیرخواہوں کے خلاف ہونیوالے آپریشن سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ آیت اللہ خمینی کی قدامت پسندانہ اور بنیاد پرستانہ پالیسیوں اور حکمت عملیوں کے خلاف ایران میں قدرے اوازاری کا ماحول بھی پیدا ہو چکا تھا اور دوسری طرف تودیح پارٹی کے سیکریٹری جنرل نوریدن کی معرفت روسی لوگ اپنے مطلب کے بھی کچھ کام نکالنا چاہتے تھے۔

اس سلسلے میں کارکیچن کا کام سرفہرست تھا۔ برطانوی انٹیلی جنس سے بھی اس کے رابطے تھے اور وہ برطانوی بھی دوہری کارروائی پر عمل پیرا تھے، یعنی کارکیچن کی پہنچائی گئی اطلاعات واپس ایرانی انٹیلی جنس کو لوٹا کر لوٹ بھی رہے تھے۔ ظاہر ہے ایسے حربے اور حیلے آیت اللہ خمینی کے وارے میں نہ تھے، لہٰذا جب نوریدن پر روس کی عنایات از حد ہونے لگیں تو اس نے ان کمیونسٹوں پر اپنا آہنی ہاتھ پورے کا پورا کھول دکھایا۔ برطانیہ نے اس کارکیچن کو ہتھیلی کا چھلا بنا کر اسے سسکیس میں ٹھہرایا ہوا تھا اوراس کی وساعت سے ایران میں اپنے اغراض ومقاصد کی تکمیل میں لگا ہوا تھا۔ جبکہ اس ساری صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے آیت اللہ خمینی سب سے پہلے اس

روس کے بھوت کو بھگانے کے درپے تھا اور اس واقع سے انہوں نے ایسا کر دیا۔

جاسوسی بذریعہ بوٹ

یہ واقعی مارچ 1969 میں پیش آیا اور اس حوالے سے اہم واقعہ تھا کی اس انداز سے جاسوسی کا پہلا واقعہ بن گیا۔

بوچاریسٹ کے امریکی سفارت خانے میں امریکی سفارتکاروں کو شک گزرا کہ ان کی سفارتی بلڈنگ میں جاسوسی آلات نصب ہیں جو انکی روزمرہ کی گفتگو ریکارڈ اور ٹیپ کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اس کے کھوج کیلئے ایک سپیشل آفیسر کی ڈیوٹی لگائی گئی۔ جب اس آفیسر نے کھوج لگانے کیلئے سپیشل آلات استعمال کرنے شروع کئے تو اسے ایک سینئر سفارتکار اور ایک CIA آفیسر کے درمیان ہونیوالی گفتگو سنائی دی۔ وہ فوراً اس آفیسر کے کمرے کی طرف دوڑا اور اسے باہر آنے کیلئے چٹ لکھ کر اندر بھیجی۔ وہ باہر تو آ گیا لیکن اسکی آواز ابھی آن ریکارڈ جارہی تھی۔ اسکی تلاشی وغیرہ لی گئی مگر کچھ ہاتھ نہ لگا۔ آخر کار وہ راز بھی افشا ہو کر ہی رہا کہ اس سفارتکار کا نوکر اس کے جوتے مرمت کرانے کیلئے بازار لے گیا تھا اور جوتے مرمت کرنیوالے نے ایک بوٹ کی ایڑی میں سوراخ کر کے معمولی سا ٹرانسمیٹر نصب کر دیا جسے وہ نوکر ہی آفس آتے وقت صاف کرنے کے بہانے آن کر دیتا تھا اور واپسی پر اپنا کام پورا کر لیتا تھا۔ وہ نوکر اس وقت ٹرانسمیٹر کو آف کر دیتا جب وہ آفیسر سو جاتا۔ یعنی وہ نوکر اور وہ موچی مخالف جاسوسوں کے معاون ثابت ہوئے۔

6

کموڈور گرہارڈ کا جمبو سکینڈل

جنوبی افریقہ کی عدالت عظمیٰ کی طرف سے کموڈور گرہارڈ اور اس کی شریک حیات کو ملنے والی سزائے تاحیات کے بعد ہی دنیا اتنی بڑی غدارانہ سرگرمی سے آگاہ ہوئی کہ اتنا بڑا بحری بردار عہدیدار عرصہ طویل سے روسی نمک حلالی کرتا چلا آرہا تھا۔ گرہارڈ کا قد خیر سے کافی لمبا تھا جس کی وجہ سے نہ صرف اسے بلکہ اس کے مقدمے کو بھی ''جمبو سیکنڈل'' کا نام دیا گیا۔

جنوری 1983ء کے پہلے ہفتے میں امریکی اور برطانوی انٹیلی جنس نے جنوبی افریقہ کے مقام پریٹوریا کے وزیر اعظم آفس میں بذریعہ بورس اطلاع دی کہ بحریہ میں سائمن ٹاون نامی مقام پر متعین کموڈور ڈگرہارڈ ایک روسی جاسوس ہے۔ بورس کون تھا اور کیا چیز تھا؟ وہ جاسوسوں کی جاسوسی کرنے والا ایک روسی ہی تھا اور یورپ میں اپنی صلاحتیں چمکانے کا سب سے پہلا چانس بھی اسے ہی ملا تھا، مگر اس کی زیادہ تشہیر نہ کی گئی بلکہ اُسے اس کے ابتدائی اور ثانوی نام ''بورس'' سے ہی سمجھا اور جانا جاتا تھا۔

اسی کی صلاحیتوں پر تکیہ کرتے ہوئے کے جی بی کے بہت سے ایجنٹوں کو یورپ بدر کیا جاتا رہا۔ بشمول، برطانیہ اور فرانس، چالیس سفارتکاروں سمیت سینتالیس روسی شخصیات کو مشکوک قرار دے کر واپس گھروں کی راہیں دکھانے والا بورس ہی تھا۔ گرہارڈ کی مشکوک سرگرمیاں تو افریقی

حکومت کی نظروں میں کھٹکنے لگی تھیں، لیکن بغرض سیاحت، جنوری کے دوسرے ہفتے میں جب وہ افریقہ سے نیو یارک گیا اور ایک مہنگے ترین ہوٹل میں مقیم ہوا تو وہاں دو دن کے اندر اندر اس کی گرفتاری امریکی اور برطانوی ایجنٹوں کے ہاتھوں عمل میں آگئی۔ حکومت روس کو بے خبر رکھنے کی غرض سے جہاں تک ممکن ہوا کموڈور کی گرفتاری کو خبر نہ بننے دیا گیا۔ نیو یارک میں گیارہ دنوں تک اس سے تفتیش ہوتی رہی اور اس تفتیش کا رزلٹ دیکھ کر تفتیش کار حیران رہ گئے۔

وہ گرہارڈ روس کے جاسوسی دستر خوان پر 1963ء سے براجمان تھا اور اس نمک خواری اور نمک حلالی کے عوض روس اسے نہ صرف ملٹری بلکہ سیاسی رازداریوں کی جاسوسانہ جسارتوں سے بھی نوازتا چلا آ رہا تھا۔ ماضی قریب میں ہی جب وہ لندن رائل نیوی میں ملازمت کر رہا تھا تب سے اس کا ہاتھ روسی ہاتھوں میں تھا اور جیسے جیسے اس کا نیول رینک بڑھتا رہا، ادھر سے بھی اسکا ماہانہ آمدنی کا گراف بلند ہوتا رہا۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ جیسے جیسے اس کا پیشہ وارانہ اور محکمانہ مقام اور مرتبہ معتبر ہوتا رہا، ویسے ویسے وہ ان کیلئے مفید ثابت ہوگا۔

شروع شروع میں گرہارڈ نے اپنی پیشہ ورانہ اور محکمانہ تعمیر و ترقی، اسلحہ کاری، مجموعی صف بندی و صف آرائی اور دوسری تکنیکی معلومات بھی شامل دستاویزات کی تھیں۔ جنوبی افریقہ کو بدست برطانیہ پہنچائے جانے والے جنگی ساز و سامان کی تفصیلات وہ جی آر یو، یعنی روس کے ملٹری انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ تک پہنچاتا رہا۔ جب وہ سائمن ٹاؤن نیول انتظامیہ کا سربراہ بن گیا تو پھر گرہارڈ کے وارے نیارے ہو گئے۔ وہ تمام تر فائلیں اور حساس دستاویزات اپنی رہائش گاہ پر لے گیا اور پھر کمپیوٹر کنٹرول سسٹم میں مربوط چاندی کی کانوں اور فرانس سے حاصل کردہ ایگزوسیٹ میزائلوں کی معلومات فراہم کرتے کرتے اس ڈائیر گرہارڈ نام کے کموڈور نیول آفیسر نے اپنے عہدے کے طفیل اور لحاظ سے اپنے ہاتھ ملکی سالمیت کو بیچنے اور دولت کمانے میں خوب رنگے۔

اس کی بیوی روتھ جوہر بھی خیر سے جاسوسہ ہی تھی اور اپنے خاوند کیلئے سراغ رسانی کیا کرتی تھی۔ وہ دونوں کئی بار معلومات کے حصول کے لئے آسٹریا بھی گئے اور بہم رسانی کے لئے

ٹرانسمیٹر کے حصول کی کوششیں کرتے رہے۔اس وقت تک ان کے سوئس بینکوں میں بھی L85,000 تک کے اکاؤنٹس کھل چکے تھے مگر شومئی قسمت کہ برا وقت آتے ہی بند ہو گئے تھے۔جوں جوں تفتیش آگے بڑھتی رہی گرہارڈ کے منہ سے نئے نئے انکشافات بھی جھڑتے رہے۔

70-1965ء میں اس نے نیول سروس میں آنے والے نوجوانوں کے انٹرویوز کئے اور جلد از جلد انہیں اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیاں گرم اور رنگین کرنے کیلئے جاسوسی سرگرمیوں میں سر دینے کی ترغیب بھی دی۔اس دوران جنوبی افریقہ میں رائل نیوی کیلئے چھوٹی نیوکلیر آبدوزیں تیاری کے مراحل میں تھیں اور ان پر متعین انگلینڈ کے نوجوان سکوارڈرن سیلر اسی کے تربیت کردہ تھے۔گرہارڈ نے مزید بتایا کہ 25 جنوری 1983ء کو جنیوا میں ایک روسی ایجنٹ اسے ملنے کیلئے طے شدہ پروگرام کے تحت وہاں موجود تھا۔میخائل نکولائیونامی اس روسی ایجنٹ کے بریف کیس میں گرہارڈ کی خدمات کے صلے میں L50,000 مالیت کی رقم بھی موجود تھی ،مگر افسوس کہ وہ رقم گرہارڈ کے اکاؤنٹ میں سمانے سے پہلے ہی اپنے امانت کنندہ سمیت سوئس حکومت کے تعاون کے طفیل امریکی اور برطانوی ایجنٹ کے عمل گرفتاری میں ضبط کر لی گئی۔

بعد ازاں طویل تردد اور مقدمہ کے بعد دسمبر 1983ء میں اس ڈائیٹر گرہارڈ کو بمعہ اپنی چھٹی شریک حیات کا ر روتھ کے نہ صرف عمر قید کی تا حیات سزا سنائی گئی بلکہ جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ نے اس سزا کے خلاف اس جاسوس جوڑے کی اپیل بھی مسترد کر دی۔اس طرح جاسوسی کا یہ باب اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

7

تخت یا تختہ

اُن کا کہنا تھا کہ وہ تو وہاں محض رگبی کھیلنے گئے تھے مگر شومئ قسمت کہ کھلاڑی خودکار ہتھیاروں سے لیس تھے اور یہی وہ کہانی ہے جس کا ابتداء ہی میں ایک کسٹم آفیسر نے سرکچل کر رکھ دیا۔ سیکیورٹی فورسز نے آناً فاناً پہنچ کر جنوبی افریقہ کی انٹیلی جنس ایجنسی اور سی آئی اے کے ہاتھوں بحر ہند میں موجود ایک چھوٹے سے ملک کی آئینی حکومت کو ایک پتلی تماشہ حکومتی گروہ کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچالیا۔

وہ 25 نومبر کا دن تھا جب بحر ہند میں واقع سیچلیس جزیرے کے پوائینٹلر ویو ایئر پورٹ پر سوازی ایئر لائن کی ایک پرواز اتری اور اس میں سے رگبی کے پلس کے قریب کھلاڑی نمودار ہوئے۔ ایئر پورٹ پر تمام کام حسب معمول نپٹائے جا رہے تھے کہ اسی پرواز سے باہر آنیوالے مسافروں کے ایک سوٹ کیس میں سے کسٹم افسران نے ایک برین گن برآمد کرلی اور لمحہ بھر کیلئے مسافر اس برآمدہ چیز پر ششدر بھی ہوئے اور پھر لمحے بھر میں ہی کسٹم افسران نے سیکورٹی کیلئے الرٹ کا بٹن بھی دبا دیا۔

عین اسی اثناء میں ان جعلی کھلاڑیوں نے بھی اس ماحول میں اپنے لیے خطرے کی بو محسوس کی اور وہ فوری طور پر اپنا سامان باندھتے ہی واپسی کیلئے دوڑ پڑے۔ اسی دوران سیکیورٹی فورسز نے بھی چاروں جانب سے فائرنگ کرتے ہوئے ان کا گھیرا تنگ کیا تو آگے سے ان نام نہاد کھلاڑیوں نے بھی مزاحمتی طریقہ کار اختیار کیا اور وہ ایئر پورٹ پر کھڑے انڈین لائن کے

طیارے تک جا پہنچے۔انہوں نے اس طیارے کو اغوا کرلیا اور ساؤتھ افریقہ کی طرف پرواز کرلی۔

اپنے پیچھے اور نیچے وہ زمین پر سات زخمی ساتھیوں کو بھی چھوڑ گئے تھے، جنہوں نے ہسپتال پہنچ کر تفتیش میں بیان دیا کہ ان کی اس جارحانہ کاروائی کے پیچھے سیچلیس جزیرے کے سابقہ صدر جمیز مینچیم کا ہاتھ تھا، جسے 1977ء میں معزول کیا گیا تھا۔ بعدازاں اس نے ساؤتھ افریقہ اور امریکہ کی مدد سے اپنا ایک انقلابی گروپ بنا لیا۔ جمیز مینچیم ہر قیمت پر دوبارہ اقتدار چاہتا تھا اور ساؤتھ افریقہ کی انٹیلی جنس ایجنسی BOSS سے انتیس اہلکاروں نے دو امریکن ایجنٹوں کی سربراہی میں چند کرائے کے لڑاکا فوجیوں کیساتھ مل کر اس مشن کو مکمل کرنا تھا۔

کانگو میں سی آئی اے کا سب سے بڑا اور بدنام زمانہ جاسوس کردار "مائیک" تھا، جسے اس خصوصی مہم کی سربراہی سونپی گئی تھی۔ وہ ان ایجنٹوں اور کرائے کے فوجیوں کو سیچلس روانگی کیلئے سوازی لینڈ کے بارڈر پر میزینی ائیر پورٹ پر الوداع کہنے از خود آیا تھا۔

"مائیک" عام پکارا جانیوالا نام تھا، جب کہ اس کا اصل نام "مائیکل ہوز" تھا اور وہ اپنے پر خطر کاموں کی وجہ سے "پاگل" بھی مشہور تھا۔ اس کا ایک دیرینہ پیشہ وارنہ ساتھی مارٹین ڈولنچک بھی اسکے ساتھ تھا اور وہ ساؤتھ افریقہ کی انٹیلی جنس ایجنسی سے تربیت یافتہ تھا۔

آغاز میں جنوبی افریقہ کے وزیراعظم نے اس منصوبے میں اپنی شمولیت کی تردید کی لیکن تین معتبر ترین صحافیوں نے تحقیق کے بعد ساؤتھ افریقہ کے اولین وزیراعظم مسٹر بوتھا سمیت بہت سے مشکوک کرداروں اور جنوبی افریقہ کی انٹیلی جنس ایجنسی کو اس کا ذمہ دار قرار دیا۔ بعدازاں افریقی حکومت نے بھی سب سچ تسلیم کرلیا۔ تاہم جنوبی افریقہ کے وزیراعظم اس سچ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

8

ایس آئی ڈی سکینڈل

جاسوسی اپنے اندر طے شدہ اصول وضوابط اور قاعدے قوانین نہ ہونے کی وجہ سے ایک عجیب وغریب اور بے مثل نگر ہے۔ آپ کسی چیز کا کھوج یا راز کو پانے کی جستجو میں اپنی عمر بھی لگا دیتے ہیں اور کچھ پلے بھی نہیں پڑتا۔ بعض اوقات تو ایسے ایسے سنسنی خیز انکشافات سامنے آتے ہیں کہ کسی ذی روح کو شک تک نہیں گزرتا کہ کیا ہوا ہے؟ یہ کہانی بھی کچھ اسی قسم کی ہے۔

اس کہانی نے بین الاقوامی ایئرپورٹ روم میں جنم لیا۔ ایک قابل ترین کسٹم آفیسر کی قابلیت کے بل بوتے پر کچھ دستاویزات کی ترسیل روک لی گئی اور وہی ترسیلی رکاوٹ ہی ایک ناقابل یقین کہانی کا عنوان بن گئی۔ ان سامنے آنے والی دستاویزات سے انکشاف ہوا کہ اٹلی میں چند سرکردہ سیاستدان اور سرکاری عہدیداران اٹلی کی حکومت کو نیچا دکھانے کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ اس جاسوس کہانی سے کئی جاسوس تنظیموں کی کارستانیاں بھی سامنے آئیں۔

اس جاسوس کہانی کا آغاز اس وقت ہوا جب روم کے فیومنچی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر فرانس کے میٹروپولیٹن شہر سے آنے والی ایک مسافر پرواز اتری۔ اس پرواز کی آمد کیلئے کوئی خاص حالات عمل میں لانے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ تمام کسٹم افسران معمول کے مطابق مسافروں کے کاغذات اور سامان وغیرہ کی جانچ پڑتال کرنے میں لگ گئے۔ اسی اثناء میں ذرا نیچے تک بلاؤز پہنے ایک سنہری بالوں والی حسینہ کاؤنٹر پر آئی۔ اس حسینہ کو ہر نظر ایک حیرت سے دیکھتی ہی رہ گئی۔

اس نے پاسپورٹ کسٹم آفیسر کے سامنے رکھ دیا اور اپنی کہنیاں کاونٹر پر ٹکا دیں۔

ماریا گریٹشیا ڈونینی کا نام اپنی فہرست میں پا کر کسٹم آفیسر حیران رہ گیا۔ کسٹم آفیسر کو اس حسینہ کے سامان میں سے بھی کوئی بھی ناجائز چیز نہیں ملی لیکن آخر کار وہ کسٹم آفیسر اس کے پرس میں سلے ہوئے کچھ کاغذات ادھیڑنے میں کامیاب ہو ہی گیا، اور پھر اگلے ہی ثانیے میں وہ گرفتار بھی ہو گئی۔

قارئین حیران ہوں گے کہ آخر وہ خاتون کون تھی، جس کا جانچ پڑتال والی لسٹ میں نام پڑھتے ہی وہ کسٹم آفیسر چونک گیا تھا۔ اس خاتون کا تعلق ان دنوں اٹلی پر ایک وباء اور بلائے ناگہانی کی طرح مسلط سازشی اور جاسوس تنظیموں سے تھا۔

اُس سے ملنے والے خفیہ کاغذات اٹلی سے ہی گوار دیا ڈی فناستہ نام کی تنظیم سے متعلقہ تھے اور اُن میں اٹلی بھر کے بدنام زمانہ کرپٹ لوگوں کے نام و پتے درج تھے۔ اس کے علاوہ میسن لاج تشہیری تنظیم کے اراکین کے نام خطوط بھی تھے اور متعلقہ تنظیم فرانس کے معزز شہریوں کے زیر سرپرستی کام کر رہی تھی۔ پرس میں سے کچھ امریکی خفیہ دستاویزات بھی سرکاری حکام کے ہاتھ لگیں، لیکن سب سے پہلے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے مکروہ کاغذات کی حامل وہ حسینہ تھی کون؟ وہ میسن لاج تنظیم کے تشہیری سربراہ لیچیو جیلی کی صاحبزادی تھی اور اپنے والد کیلئے بڑے اعتماد سے کام چلا رہی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سلسلۂ گرفتاری میں اُسے اس کے والد نے بڑے پکے ثبوتوں کیساتھ تفتیشی ٹیموں کے نرغے میں پڑی رہنے دیا تھا۔ اس سے ملنے والے کاغذات کی ترسیل کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ساتھی بلیک میلنگ کے ذریعے واشنگٹن اور شمالی اٹلانٹک میں ٹریٹی آرگنائیزیشن سے وابستہ اٹالین آفیسران سے رقوم بٹور سکیں۔

یاد رہے کہ NATO ایک امریکی فوجی تنظیم ہے اور جس کا مطمع نظر کیمونزم کی روک تھام بھی ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اٹلی کی حکومت کو گول کر کے اسکی جگہ من مرضی سے موم نما حکومت کھڑی کرنے میں امریکی سی آئی اے کا بھی کوئی ہاتھ ہو سکتا ہے۔

15 مارچ 1981ء کو اٹالین میگزین "ایل ایس پریسو" میں جنرل جان ایڈیلو میلیٹی نے ایسی گھناؤنی سازشوں پر کافی روشنی ڈالی اور اہم معلومات سامنے لائے۔ اٹالین انٹیلی جنس

ایجنسی ''ایس آئی ڈی'' کا پورا نام سپریئر ڈی انفارمیشن ڈی لا ڈیفینس ہے اور جنرل میلیٹی اس کا سالہا سال تک سربراہ رہا تھا۔

یہ ساری معلومات اس نے اپنے ایک انٹرویو میں دی تھیں کہ شہزادہ ویلیر یو بورگیز اقتدار کا کس قدر بھوکا اور ''اپنوں'' کے خون کا پیاسا تھا۔ دسمبر 1970 میں کس طرح اس نے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہا اور کس طرح ناکام ہوا اور اس کے بعد روساڈائی وینٹی نے بھی کس طرح حکومت وقت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی اور اپنا دھڑن تختہ کرا بیٹھا۔ ان دونوں شہسواروں کے بعد اینڈ گارڈ وسونیو اقتدار کے میدان میں آیا لیکن بقدر ہوش وحواس کے ساتھ اس نے ہمہ اقسام خون خرابے سے اجتناب کرتے ہوئے، بجائے کسی خونی انقلاب کے، سفید انقلاب کی آوارگی کیلئے آئینی ترامیم کا راستہ اختیار کیا۔

اگست 1974ء میں نچلی سطح کے چند فوجی افسران نے حکومت وقت پر قابو پانے کیلئے جو راستہ اور طریقہ کار اختیار کیا وہ بہت ہی پر خطر تھا اور روم کے اقتدار کو تر نوالہ سمجھنے والے ان نادانوں کے پیچھے چند سمجھدار دماغ بھی کارفرما تھے جن کا مقصد اٹالین صدر لیونو کو اپنی حراست میں لیکر عوام کو اطمینان بخشنے کیلئے انقلاب کے حق میں اپنی مرضی کا بیان دلوانا تھا۔ جبکہ دوسری طرف پرنس بورگیز کے حامی اور حواری اسی اقتدار کے اسی تر نوالے کیلئے اپنے خونخوار منہ کھولے کھڑے تھے۔

اس ساری جاسوسی کہانی میں حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ جنرل میلیٹی از خود نہ صرف اس ملک کا مقبول ترین لیڈر بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا بلکہ وہ باقاعدہ سی آئی اے کا تنخواہ دار ایجنٹ تھا۔ اس سے پہلے 70-1965ء کے دوران سی آئی اے ہی کی آشیرباد سے اقتدار کی مسند تک پہنچنے کے لئے کوشاں جنرل ڈی لارینسو اٹالین سیکرٹ سروس ''سفار'' میں پولیس چیف آفیسر تھا۔ اقتدار کی بھوک مٹانے والی کاروائیوں میں جنرل میلیٹی کا کوڈ نمبر P : 2 اور جنرل لارینو کا کوڈ نمبر SOLO تھا۔

SOLO آپریشن کی ناکامی کے بعد طے ہوا کہ اقتدار کی تگ و دو میں کی جانے والی سرگرمیوں کو سی آئی اے کی سرکردگی سے الگ رکھتے ہوئے از سر نو حکمت عملی تیار کی جائے۔ اس

مقصد کے لئے ایک نئی قسم کی ایس آئی ڈی ایجنسی بھی قائم کی گئی مگر وہ ہر لحاظ سے نامکمل تھی۔ نئی تبدیلیاں بھی بس نام کی ہی تھیں عملاً کارکردگی تو بالکل صفر تھیں۔ بعد ازاں کافی پیچیدہ قسم کی تفتیش اور تحقیق سے یہ احوال عیاں ہوا کہ سی آئی اے پروپیگنڈہ نمبر 2 والی گوریلا تحریک کے سابق لیڈر اور سابق وزیر دفاع رونڈ اللے پیچیارڈی کے ذریعے اٹلی کو ایک ڈکیٹیٹر سربراہ مملکت کا تحفہ دینا چاہتی تھی۔

اس ساری گڑبڑ اور افراتفری کو گوریلا تحریک کے ذریعے آگے بڑھانے کیلئے سابق ملٹری چیف آموس سپائیائٹسی کا بھی کافی زیادہ عمل دخل تھا۔ دلچسپ صورت حال تو یہ تھی کہ ایس آئی ڈی کا سربراہ جنرل میلیٹی بھی پروپیگنڈہ 2 کا باقاعدہ رکن تھا اور یہ دونوں حضرات ہی سی آئی اے کے بہترین نمک خواروں میں سے تھے۔ اس سازشی مہماتی ماحول میں ظاہر ہو جانے والے اپنے ہی آدمیوں کے خاتمے کیلئے بھی انہوں نے اپنوں کی ہی ڈیوٹیاں لگائی ہوئی تھیں۔ جب ان سازشوں اور جاسوسی کاروائیوں کے تانے بانے بکھرے تو جنرل میلیٹی نے جنوبی افریقہ کے ایک ڈکٹیٹر کے پاس پہنچ کر پناہ لے لی۔

ان گھناؤنی سازشوں سے یہ پہلو بھی عین عیاں ہوا کہ یہ بڑی طاقتیں اپنے اپنے دوست ممالک میں من مرضی کی سربراہ حکومتیں لانے کیلئے بڑی بڑی ڈرامے بازیاں کرتی چلی آئی ہیں۔ لگتا ہے کہ ماریا گریٹشیا ڈونیئی بہت کچھ بتانا بھول رہی تھی مگر پھر بھی اس نے متعلقہ جاسوس سازشوں کے بارے میں بہت سی معلومات دے دی تھیں۔ اس کے پرس سے جتنے بھی کاغذات برآمد ہوئے، وہ ویتنام میں امریکی فوجی کمانڈر اور مستقبل قریب میں چیف آف جوائنٹ سٹاف کمیٹی بننے والے جنرل ویسٹ مورلینڈ کی نگرانی میں تیار ہوئے تھے۔

ان دستاویزات میں امریکی اتحادی ممالک کی آنکھیں کھولنے کیلئے بڑے واضح اشارے تھے، جن کی اس نے مالی اور سیاسی مددکاری کی تھی، صلے میں وہ انہی ممالک میں اپنی من مرضی کا حکومتی ڈھانچہ چاہتا تھا۔

امریکہ بہادر ہی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جن ممالک میں وہ من مرضی کی حامل حکومت کی

تشکیل میں ناکام ہو جاتا ہے تو پھر بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ایک نہ ایک دن اسے زیر کر ہی لیتا ہے۔

اس مقصد کیلئے وہ حزب اختلاف کے کندھوں پر ہاتھ رکھتا ہے جو کہ پہلے سے ہی کسی ایسے غم گسار اور مددگار کے منتظر ہوتے ہیں۔ ایسے حالات میں اگر اُسے کچھ باغیانہ خیالات کے حامل گروپس مل جائیں تو پھر انکی باغیانی تو وہ اور بھی بھرپور طریقے سے کرتا ہے۔

ان دستاویزات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے بہت سے ممالک میں حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ اور سیاسی اکھاڑوں کے جوڑ توڑ کیلئے امریکہ نے سازشی شطرنج کی بساط خوب بچھائی ہوئی ہے۔

جیلی کی سنہری بالوں والی بیٹی ماریا گریشیا ڈونینی کی حراست کے بعد اس کے باپ کے گھر کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے پروپیگنڈہ 2 کے ہزاروں وابستگان کے نام و پتے ملے۔ ان میں فوج اور سیکرٹ سروس کے اعلیٰ ترین عہدیدار بھی شامل تھے جن میں جنرل گریسینی، سینٹو وینٹو، جونینی اور پالوجی کے نام سرفہرست تھے۔ ان میں نیٹو آرگنائیزیشنکے سربراہ ایڈمرل توریز یک کا نام بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ ان میں بیسیوں بینکرز، صنعت کار، اخباری مالکان، ممبرز پارلیمنٹ، منسٹرز اور ٹیلی ویژن مالکان تک ان نیک کاموں اور دھندوں کی دھند میں نمایاں نظر آئے۔ ایسا دکھائی دیتا تھا کہ پروپیگنڈہ 2 سی آئی اے کا ہی کوئی متبادل ادارہ تھا۔

روم میں ایک نیوز ایجنسی کا مالک کارمینو پیکوریلی نامی اٹالین اس جاسوس حسینہ کے والد جیلی کا بڑا قریبی دوست تھا اور وہ نہ صرف جیلی سے حاصل شدہ فائلوں سے اخذ کردہ سنسنی خیز خبریں چھپواتا رہتا بلکہ معروف اٹالین سیاستدانوں کی فائلیں اپنے قبضے میں لیکر ان سے مال پانی بھی بٹورتا رہتا تھا۔ لیکن جلد ہی ایسا ہوا کہ ایل یونامیٹا ایجنسی کا مالک پیکوریلی قتل کر دیا گیا اور قاتل نے پروپیگنڈہ 2 کے ممبر مسیون لاج کی نقل کرتے ہوئے ریوالور کی نالی مقتول کے منہ میں اتار دی تھی۔

وجہ قتل شائد یہ تھی کہ ایک دفعہ پیکوریلی نے کہہ دیا تھا کہ اخبارات کی پیشانیوں پر پہنچنے والے زیادہ تر قتل میں ملوث ہاتھ پروپیگنڈہ 2 کے ہی ہوتے ہیں۔ پیکوریلی نے ان کے کھاتے میں پڑنے والے جرائم کی لمبی چوڑی فہرست بھی شائع کروادی اور اس فہرست میں میلان دھماکوں میں

ملوث دھماکہ کاروں کی شناخت اور تحقیق پر متعین جج او کورسیو کے قاتلوں کی تفصیلات بھی دے دیں۔

پیکوریلی نے اٹلی ایکسپریس میں بارہ لیڈروں کی ہلاکت پر مبنی حملے کو بھی کافی زوردار موضوع بنایا تھا۔ بولونیا اسٹیشن پر دوسو لوگوں کی ہلاکت میں بھی یہی لوگ ملوث تھے اور یہ توڑ پھوڑ اور تہس نہس پروگرام اس لئے اوپر تک لے جایا جارہا تھا تا کہ حکومت تنگ آکر اپنے ہاتھ کھڑے کردے گی۔

ان سب تکلیف دہ حالات سے ہٹ کر انتہائی افسوسناک اور ماتم افروز امر واقعہ تو یہ تھا کہ قتل در قتل اور تخریب در تخریب کاروائیوں میں ملوث سنہری بالوں والی حسینہ کا والد جیلی صدر ریگن کی صدارتی حلف نامے کی تقریب میں مہمانانِ خصوصی میں سے ایک تھا۔ بعد ازاں حلف اٹھانے کے بعد امریکی صدر ریگن کا پہلا انٹریو ''آئی سیٹی'' نامی جس میگزین میں چھپا تھا وہ جاسوسی صفات کے حامل اسی نام نہاد کردار جیلی کے دوستوں کی ہی ملکیت تھا۔

9

سچ اور جھوٹ

مئی 1981ء میں مذہبی پیشوا پوپ خان پال پر قاتلانہ حملے کا سن کر ساری دنیا ششدر رہ گئی۔ لاکھوں رومن کیتھولک عیسائیوں کے عظیم مذہبی پیشوا اور روحانی رہنما پر اس حملے کا ذمہ دار اور پشت پناہ کون تھا؟ پوپ کوئی سیاسی کردار نہ تھا اور نہ ہی دنیا وی معاملات میں اس کا کوئی عمل دخل تھا۔ تمام تر تفتیش و تحقیق کے بعد اس حملے کی عملداریوں کے رخ بین الاقوامی جاسوسی اور دہشت گردی کی طرف ہی نظر آئے، لیکن اصل حقائق کیا تھے اور کہاں تھے، یہ کبھی بھی علم نہ ہو سکا۔

ایس ٹی پیٹر سکوائر کے مقام پر اپنے ہزاروں پیروکاروں کی دعائے مغفرت کیلئے جونہی پوپ جان پال نے اپنے ہاتھ بلند کیے، وہ فائرنگ کی آوازوں میں نیچے آ گئیں۔ 13 مئی 1981ء کو پوپ پر فائرنگ کرنیوالا صرف 25 سالہ اسجکا مہمت علی ایک ترک جنونی نوجوان تھا، جس نے ترکی میں ہی 'شکاری بھیڑیئے' نامی دہشت گرد تنظیم سے تربیت لی ہوئی تھی۔ فائرنگ کے بعد فی الفور پوپ کی آپریشنکے ذریعے زندگی تو بچا لی گئی مگر ایک عرصہ دراز تک بستر علالت سے نہ اٹھ سکا۔
دوسری طرف حملہ آور اسجکا کو بھی جائے واردات پر ہی عوام نے دبوچ لیا اور مار مار کر ادھ موا کر کے قانون کے حوالے کر دیا۔ جب اس سے تفتیش کی گئی تو اس نے اپنی زخمی حالت میں اپنا منہ بمشکل تمام اوپر اٹھا کر کراہنے والی آوز میں کہا کہ یقین کریں، اس حملے کیلئے اسے 'بلگیرین سیکرٹ سروس' کے سربراہ نے تیار کیا تھا۔ روم میں ایک صحافی اور مجسٹریٹ آمیلیر یو کے سامنے

اقبالی بیان دیتے ہوئے اس نے اپنا وہی بیان پھر دوہرایا کہ پوپ کے قتل ناحق کیلئے اسے سیکرٹ سروس سے سربراہ نے ہی اکسایا تھا۔ اس نے یہ بھی اقرار کرلیا کہ اس کے اس سفاکانہ عمل میں کے جی بی کی بھی آشیرباد حاصل تھی، لیکن کے جی بی اور بلغیرین دونوں نے ہی ان الزامات کی سختی سے تردید کردی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ کسی بھی سوشلسٹ ملک کا اس گھناؤنے فعل میں شریک جرم ہونے کا توسوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

اسجکا نے تفتیش کاروں کو تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ ایک پولینڈ پرور لیڈر لیچ ویلزا کے قتل کیلئے اسے روم بھیجا گیا تھا اور وہاں اسے پوپ اور دو بلغیرین عہدیداروں کے قتل پر بھی اکسایا گیا تھا۔ بلگرین ایئر لائین کا مینجر سرجی انٹونیو بھی اس کے ساتھ شریک جرم تھا۔ جائے واردات کی ویڈیو فلم کے مطابق پوپ پر فائرنگ کرتے ہوئے سرجی انٹونیو کا چہرہ بھی پہچانا جاسکتا تھا۔

ان انکشافات کے بعد جب پولیس اور انٹیلی جنس SID نے انٹونیو کے گھر پر چھاپا مارا تو حیران کن حد تک مجرمانہ سرگرمیوں کے ثبوت ملے، حتیٰ کہ، غیر قانونی ٹیلی فونز سے متعلقہ بھی لمبے چوڑے سلسلے دریافت ہوئے۔ اسجکا کی دی گئی معلومات کے علاوہ بانٹونیو سے ملنے والے کاغذات سے معلوم ہوا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کافی پھیلے ہوئے تھے۔ اسجکا کے نہ صرف دہشت گردوں سے رابطے تھے بلکہ ترک دہشت گرد تنظیم سے تو وہ باقاعدہ پیسے بھی لیتا تھا۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اس بارے میں بڑی تحقیق کی لیکن تمام تر تحقیقات کے باوجود انہیں پوپ پر حملے میں کسی بیرونی تنظیم کا ہاتھ نظر نہ آیا۔ جن سفارت کاروں کے اس نے نام لئے تھے وہ توفی الفور ہی روم چھوڑ گئے۔ پوپ نے آخرکار اپنے پوپ اور روحانی نجات دہندہ ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے نہ صرف اسجکا کو معاف کردیا بلکہ اس سے جاکر ملاقات کی اور اُس سے اپنے متوقع دشمنان کے بھی نام پوچھے۔ اسجکا نے اس عظیم روحانی شخصیت کے سامنے زبان نہ کھولی۔ کیونکہ اس کی اُس زبان سے جو زہر ٹپکنا تھا، ٹپک چکا تھا۔

10

گٹھ جوڑ

روس اور امریکہ کے ایجنٹوں کی ''برکتوں'' سے جاپان میں بھی جاسوسی مسائل، معاملات اور مقدمات کافی گھمبیر رہے ہیں لیکن مذکورہ مقدمہ ذرا سا مختلف ہے کیونکہ اس میں ایک ریٹائرڈ میجر جنرل کے کردار نے اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے روس کو کافی قیمتی معلومات دی تھیں۔ کئی ایک دوسرے پہلوؤں سے یہ کیس ذرا ہٹ کر بھی ہے کیونکہ اسے نپٹانے اور ٹھکانے لگانے میں ملک کی چار بڑی انٹیلی جنس ایجنسیاں بیک وقت اور باہم سرگرداں رہیں۔

جاپان کی مشہور زمانہ انٹیلی جنس ایجنسی نائیکو نے پرائم منسٹر آفس میں رپورٹ کی کہ ایک جونیئر آرمی افسر ملکی فوجی معاملات کی رپورٹ روزانہ روس کو فراہم کرتا چلا آ رہا ہے۔ عین اگلے ہی دن نیول انٹیلی جنس برانچ سے بھی کچھ ایسی اطلاعات ملیں کہ انسداد جاسوسی ڈیپارٹمنٹ کا وارنٹ آفیسر بھی سوویت یونین کا نمک خوار بنا ہوا ہے اور اس کا ہم رکاب ایک آرمی لیفٹیننٹ بھی ہے۔

اس رات ڈیفنس آرگنائیزیشن کی تفتیشی اور تحقیقی برانچ نے بھی بہت سی رپورٹس فراہم کر دیں۔ ان رپورٹس سے جنوب کی سمت بین الاقوامی سمندری حدود میں واقع آبدوز سٹیشن کے ساتھ پیغام رسانی کی باقاعدہ ایک ایکسچینج کی نشاندہی ہوئی۔ دوسری مصدقہ اطلاع ایک ریٹائرڈ میجر جنرل سے متعلقہ تھی کہ وہ جاپان میں متعین روسی آفیسرز کو جاپانی فوج کی تازہ ترین معلومات سے باقاعدہ باخبر رکھتا ہے۔ دو حاضر سروس آرمی معاون افسروں کے علاوہ وہ میجر جنرل اپنی سابقہ

عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ممنوعہ علاقہ جات سے بھی جو جاننا چاہتا، معلوم کرلیا کرتا تھا۔

اُس میجر جنرل کا نام یوخی سامی یاساگا تھا اور وہ روسی سفارتخانے میں متعین ملٹری معاون کرنل یوری کوزلوو کا ہم مہم جو تھا۔ ٹائیکو رپورٹس بھی ایسی ہی تھیں جن کے افشاء ہونے پر جاپان کا سلسلۂ جاسوس سازی ہل کر رہ گیا۔

ان تمام انکشافات کا سہرا جاپان کی کئی ایک بڑی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سر بندھا۔ لہٰذا چند ہی ہفتوں بعد اس میجر جنرل کو سمندری حدود کی فوٹو گرافی کرتے ہوئے اچانک سمندری سیکورٹی نے پکڑ لیا۔ اس میجر جنرل نے اتنے توانا اور طاقتور لینز کا حامل کیمرہ سنبھال رکھا تھا جس کی کارکردگی کئی کلومیٹر تک تھی۔ اس میجر جنرل کی گرفتاری بجائے ساحل سمندر، بمعہ انتہائی حساس معلومات، اس کی جائے سکونت سے سامنے آئی اور اس خبر کے پھیلتے ہی اسکے جرم میں شریک کار وارنٹ آفیسر اور لیفٹیننٹ کی دوڑیں لگ گئیں۔ یوری کوزلوو کو تو پر لگ گئے اور جتنی جلدی ہو سکا وہ جاپان سے چلا گیا۔ بالآخر اس میجر جنرل نے بھی بمعہ اپنے اس دور مار کیمرے کے، اپنے تمام لینز انٹیلی جنس ماہرین کے حوالے کر دیئے۔

تحقیقات میں جرم ثابت ہونے کے بعد وہ میجر جنرل ریٹائرڈ ہو چکا ہے اور اس کی یہ سرگرمیاں بھی قریباً دو سال سے جاری تھیں اور اس کی فراہم کردہ دستاویزات اگلے دن اسے بمعہ 1000L فی دستاویز واپس بھی ملتی تھیں۔ اس مکروہ مگر منافع بخش دھندے میں لیفٹیننٹ کرنل یوری کوزلوو کا ساتھ 80-1979ء میں روسی سفارتکار نے دیا۔ تحقیقات کے مطابق اُس کی سرگرمیاں اس لئے جلد نظروں میں نہ آسکیں کیونکہ اس کے سابقہ عہدے کی وجہ سے وہ شکوک و شبہات سے بالاتر ہی رہا۔

میجر جنرل کے اقبال جرم کے مطابق اسے روسی سفارتخانے سے جو احکامات ملتے وہ اپنی ایک ڈائری میں نوٹ کرلیا کرتا تھا اور وہ ڈائری ہی اس کیلئے ''وبال جان'' بن گئی۔ روس کی جاسوس سفارتکاریوں کی بیخ کنی اور قلع قمع کیلئے بھی وہی ڈائری مددگار ثابت ہوئی۔ سٹینی سلاس نامی روسی ایجنٹ روسی رسالے اور میگزین کی ترسیل کیلئے ٹوکیوں میں وارد کیا گیا، اس سے پہلے وہ

نیو یارک میں تھا، مگر جاسوس سرگرمیوں کیلئے وہ جاپان کو ایک قسم کی جنت جتایا کرتا تھا۔ کیونکہ جاپانی قوانین میں بڑی لچک اور گنجائش تھی، یہاں تک کہ جاسوس سرگرمیوں کی زیادہ سے زیادہ سزا ایک سال ہی تھی۔ میجر جنرل یوخی سامی یاساگا کا جرم بھی خاصا سنگین تھا مگر سزائے سخت اس کیلئے بھی وہی سال بھر کی تھی۔

وینونو

وینونو مورڈیسائی ایک یہودی اور اسرائیلی باشندہ تھا اور اسرائیلی نیوکلیئر ریسرچ سنٹر میں ٹیکنیشین سیکشن سے وابطہ تھا۔ 1986ء میں وہ آسٹریلیا ہجرت کر گیا اور اسی سال اس نے اسرائیلی نیوکلیئر پروگرام کے ایسے راز فاش کئے کہ اخبارات پتنگوں کی طرح اڑنے اور لٹنے لگے۔

اس کی پراسرار گی لندن میں سے ہوئی اور عمومی خیال یہی تھا کہ وہ ''موساد'' کے منہ میں چلا گیا ہوگا۔ لیکن برطانوی اخبار ''لندن سٹینڈرڈ'' نے انکشاف کیا کہ ایک دن چمکتی دھوپ میں ایک حسین لڑکی اسے سیر و تفریح کیلئے موٹر بوٹ میں بٹھا کر کھلے سمندر میں لے گئی تھی اور بس۔ وینونو کا گناہ یہ تھا کہ اس نے اسرائیل چھوڑنے کے بعد لندن کے اخبار ''دی ٹائمز'' کو اسرائیلی نیوکلیئر پروگرام کی تصاویر تک فراہم کر دی تھیں، جسے ''دی ٹائمز'' میں چھپنے کے بعد دیکھ کر پوری دنیا دنگ رہ گئی وینونو کے مطابق فرانس اسرائیل کے پاس سو سے دو سو تک ایٹمی ہتھیار موجود ہیں۔ ان حالات و حادثات میں وینونو نے کیا کھویا کیا پایا، کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

11

پُراسرئیت مارٹین اور میپوت

سامبہ جاسوسی سکینڈل کیساتھ ایک اور بھی جاسوسی کارستانی سامنے آئی تھی، مگر اس سکینڈل سے وہ ماحول نہ پیدا ہوا جیسا کہ سامبہ سکینڈل سے پیدا ہوا تھا اور بہت سے ممالک اسکی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ دراصل اس کیس کے تانے بانے اور شاخسانے ماضی کے پراسرار پردوں میں ملبوس تھے، اس لئے کوئی ٹھوس نتائج سامنے نہ آ سکے۔ پہلا پردہ تو ایرانی نژاد مارٹین اور سویت یونین کے گٹھ جوڑ پر پڑا ہوا تھا۔ مارٹین اس سلسلے میں اس قابل بھی ہو گیا تھا کہ اپنے مقرر کردہ عملے کیساتھ کروڑوں کا کاروبار بھی کر سکے۔ اس مکروہ کاروبار کی دوسری کڑی اور مہرہ میپوت نامی روسی کردار تھا۔ اس کی پیدائش، پرورش اور تعلیم و تربیت وغیرہ تو روس میں ہی ہوئی تھی مگر ریٹائرمنٹ تک ساری کی ساری سروس سفارتخانہ ایران کی تھی۔

16 جنوری 1979ء کی صبح کلکتہ میں ویسی ہی ٹھنڈ بھری اور سادگی سے لبریز تھی جیسی کہ صدیوں سے چلی آ رہی تھی۔ پارک سٹریٹ بھی ہر قسم کی آمدورفت سے بے نیاز تھی۔ اس روز پارک مینشن کہلانے والی پرانی سی بلڈنگ کے عین سامنے ایک جیپ آن رکی۔ پانچ آدمی اس جیپ سے باہر آئے اور انہوں نے اس بلڈنگ کے فلیٹ نمبر 20 کی گھنٹی کو بجایا۔ کچھ ہی دیر بعد درمیانی عمر اور پلپلے جسم و جاں کا حامل ایک عجیب سا شخص دروازے پر آیا اور پوچھا۔

جی کیا ہے؟

""ہمیں شری کیروا ینکر مارٹین سے ملنا ہے؟""

آنے والوں نے کہا۔

جب اس شخص نے اپنے آپ کو ہی مارٹین بتایا تو انہوں نے اسے ایک کاغذ تھما دیا۔

اس کاغذ کا چہرہ دیکھتے ہی مارٹینکا چہرہ سیاہی مائل سا ہو گیا اور اس نے کہا۔

""ٹھیک ہے آپ میرے گھر کی تلاشی لے لیں۔ میں اس دوران میں اپنا ناشتہ کر لوں۔""

اس دوران مارٹن اپنے حواس پر بھی پورا قابو رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔

آنے والے پانچوں افراد نے اس کے گھر کی پڑتال شروع کر دی اور وہ وقت ""جنتا"" حکومت کے حق میں جا رہا تھا۔

جاسوسی الزامات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی سی آئی اے نے انڈیا میں روسی ایجنٹوں کی سرکوبی کیلئے آپریشنز کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ کسی ذرائع سے سی آئی اے کو یہ معلوم ہوا تھا کہ ریٹائرڈ آرمی آفیسر مپیوت روسی ایجنٹ کی حیثیت سے انڈیا میں مقیم ہے۔ وہ واقعی سابقہ روسی ایجنٹ تھا اور اپنی آرمی سروس سے ریٹائرمنٹ کے بعد، دوبارہ سے بحیثیت جاسوس نئی دہلی کے جنوب میں رام کرشن پورم نام کی ایک پوش کالونی میں رہائش پذیر تھا۔

RAW کا تحقیق اور تجزیہ ساز سکریٹریٹ غیر ملکی ایجنٹوں پر کڑی نظر رکھتا ہے۔ اس کی نظر میں مپیوت کی حیثیت مشکوک تو تھی مگر وہ کسی کارروائی کے لئے ٹھوس ثبوت کی محتاج تھی۔ آخر کار اس کی یہ مشکل بھی حل ہو گئی اور 15 جنوری 1981ء کو انڈین پینل کوڈ، سیکشن 120-B، اور 5-9، 3 انڈین آفیسرز سیکرٹ ایکٹ کے تحت اسے گرفتار کر لیا گیا۔

دوران تفتیش اُس نے اعتراف کیا کہ مارٹین سے اس کا قریبی تعلق اور سانجھ کاری رہی ہے۔ اس نے مزید انکشاف یہ کیا کہ مارٹین کلکتہ کی ایک بڑی مستحکم کمپنی میں ملازمت کرتا ہے۔

کلکتہ انٹیلی جنس سروسز سے رلوک گھوش اور پرسوم سانیال کے علاوہ پارک سٹریٹ پولیس سٹیشن کے SHO وشواجیت چکروتی کی معاونت میں تحقیقاتی اور تفتیشی ٹیم دبھوتی نند

اور رنگھبیر سنگھ پر مشتمل تھی۔

مارٹین کے گھر کی چھ گھنٹے تک کی تلاشی میں بہت سی حساس اور اہم ترین دستاویزات ہاتھ لگیں۔ ان دستاویزات میں اہم ترین شخصیات کے نام پتے اور فون نمبرز، فورٹ ولیم آرمی کلب کا ممبر شپ کارڈ نمبر 1706، قاہرہ کا فوجی نقشہ، کینڈا کا ویزہ کارڈ نمبر 1174-6842، انٹرنیشنل ڈرائیونگ لائیسنس نمبر R-130 اور ایک رشین ساختہ مووی کیمرہ بھی ملا۔ اس کے علاوہ سویڈن کریڈٹ بینک کی چیک بک نمبر 530-253، سابق پیداواری وزیر برائے دفاع ایم ایم تھامس سے خط و کتابت پر مبنی کاغذات اور کلکتہ سے ہی متعلقہ سویت کمرشل ایڈوائزر اای ایجو کی فائل بھی مارٹین کی ملکیت سے ملیں۔

مارٹین کو گرفتار کرنے کے بعد 15- لارڈ سنہا روڈ پر سپیشل انٹیلی جنس کے آفس میں منتقل کر دیا گیا جہاں اس نے اپنے اکثر و بیشتر غیر ملکی دوروں کے علاوہ روس کے خصوصی دورے اور پھر بہت سی بین الاقوامی شخصیات سے تعلقات کے بارے میں بھی سب کچھ بتا دیا۔

کیرو ایکر مارٹین کا 1941ء کو انڈیا آنا ہوا تھا، پھر یہیں سے اس نے میٹرک تک کی تعلیم حاصل کی تھی اور بہت ہی جلد کلکتہ کی معروف فرم، میسرز ایم ایم اصفہانی اینڈ کو میں ملازمت کر لی۔ 1960ء میں اس نے برٹش انسٹیٹیوٹ ممبئی سے ایف سی آئی کرنے کے بعد ایک اور معروف فرم میسرز انبہ لال جوائن کر لی۔ اس کمپنی سے اسکے تعلقات کو بڑی تقویت ملی۔ 1970ء تک اس نے ایک تیسری فرم ساہو جین جوائن کر لی اور اس کیلئے اپنی روٹین سے کروڑوں کے آرڈرز زیادہ لانے شروع کر دیئے۔

1975ء میں کیرو مارٹین نے میکلوڈ اینڈ کو جوائن کی اور تا وقت گرفتاری اسی سے وابستہ تھا۔ اس کمپنی کیلئے اس نے کمیونسٹ ممالک سے بھی کروڑوں کا بزنس حاصل کیا۔ وہ ساری عمر کنوارہ رہا البتہ اس کی ماں اور بہن زائیرون اس کے ساتھ رہتی تھیں۔ کلکتہ کے تمام اونچے اور امیر کلبوں کا وہ ممبر تھا، جہاں وہ غیر ملکی عورتوں کیساتھ راتیں گزارتا اور دل کھول کر دولت لٹاتا۔ فورٹ ولیم کلب اسے زیادہ بھایا جس کی وجہ وہاں کی خاتون ممبر سونالی تھی۔ وہ رات بھر اس سے رنگ رلیاں مناتا

اور صبح صادق گھر لوٹتا۔

ہر ماہ وہ چند راتیں پارک سٹریٹ کے مہنگے ہوٹلوں میں غیر ملکی عورتوں کی صحبت میں گزارتا، حالانکہ اس کی تنخواہ چار ہزار کے قریب تھی لیکن اس کے باوجود وہ عیسائی کمیونیٹی کو دل کھول کر چندہ دیا کرتا تھا۔ ہوٹلوں، کلبوں، جواء خانوں کے علاوہ سفری اخراجات بھی اس کے بہت ہی زیادہ تھے۔ بنگال کے سرکردہ قسم کے سیاستدانوں اور سرمایہ داروں کیساتھ اس کے تعلقات بھی مثالی تھے۔

مارٹین نے تحقیقات کے دوران جو کچھ تسلیم کیا یا بتایا، وہ ایک ایک سربستہ راز ہی ہے۔ بھارتی فوج سے متعلق بھی اس نے جو راز حاصل کئے وہ دہلی اور کلکتہ کے ذرائع سے لئے تھے۔ اس سے آگے کوئلے کی کانوں سے لے کر دوسری دھاتوں وغیرہ کی کانوں کی معلومات بھی اس کی غیر ملکی آمدن کا نشانہ تھیں۔

وہ مرار جی ڈیسائی کا دور حکومت تھا، جس نے اپنی میز پہ متعلقہ فائل آتے ہی سوویت ٹریڈ کمشنر لیونڈ اینڈ پووچ اور روسی سفارت خانے کے تھرڈ سیکریٹری یوری راجیوین کی ملک بدری جبکہ مارٹین کی دہلی منتقلی کے احکامات جاری کر دیئے۔ میپوت واحد روسی تھا جو انڈین آرمی میں باقاعدہ ملازم تھا، لیکن بعد از گرفتاری سے تا حال وہ کہاں ہے؟ یہ ابھی تک ایک سربستہ راز ہی ہے۔

12

سامبھ سکینڈل

ہندوستان میں یہ جاسوسی سکینڈل کافی سنسنی خیز اور پیچیدہ رہا ہے اور اس میں بھی آرمی افسران کی ملکی راز بیچنے کی حرامزدگیاں سامنے آئیں۔ اگر ایسا ہی تھا تو پھر قدم قدم پہ دھوکہ کیوں کھایا جاتا رہا؟ کیوں انتہائی کوششوں کے باوجود ٹھوس ثبوت اور شہادتیں مہیا نہ کی جاسکیں۔ تمام ملوث لوگ مجرمان ہی تھے تو کیا یہ مقدمہ اس قدر پیچیدگیوں کا حامل تھا کہ کسی آخری فیصلے پر نہ پہنچ سکا؟

بس ایک دم ہی میجر اپل نے کیپٹن راٹھور کے سر اور منہ پر ایک سر ٹوپ سا چڑھا دیا، بالکل ویسے ہی جیسے جلاد پھانسی دینے والے مجرمان کے چہروں پر چڑھا دیا کرتے ہیں۔ سر ٹوپ کیپٹن راٹھور کی گردن تک سفر کر گیا اور انتہائی گھبراہٹ میں پھڑ پھڑاتی اور رُندھی ہوئی آواز میں نے اس نے دریافت کیا۔

"یہ سب کیا ہے؟"

میجر اپل نے بڑے دھیمے، ٹھوس انداز اور لہجے میں کہا۔

"کیپٹن راٹھور تمہارا جاسوسی کھیل جاسوسانہ طریقے سے ہی ختم ہو گیا ہے۔"

یہ وقوعہ دہلی میں 24 اگست 1978ء کو ہوا۔

کیپٹن رنبیر سنگھ راٹھور کامپٹی مہاراشٹر میں تعینات تھا۔ اسے کسی کام سے دہلی بلایا گیا۔ آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی میں ملٹری انٹیلی جنس ڈائیریکٹوریٹ کے کرنل گریوال سے مل کر وہ واپس جانے

لگا تو مین گیٹ پر میجر اپل سے بھی اس کی ملاقات ہوئی۔

میجر اپل نے اپنے لڑکے کے آرمی ہاسپٹل میں داخلے کا کہہ کر اسے اس کی جیپ میں وہاں تک چھوڑ آنے کو کہا تو کیپٹن راٹھور نے بھی جیپ کنٹونمنٹ کی طرف موڑ لی، جبکہ میجر اپل کے ساتھ ایک حفاظتی دستہ بھی ایک طرف موجود تھا۔ رات تقریباً ساڑھے دس کا وقت تھا جب ایک سنسان سی جگہ پہنچ کر میجر اپل نے کیپٹن راٹھور کو پچھلی سیٹ پر بیٹھ جانے کو کہا اور پھر اسے سادہ سے لباس میں ملٹری انٹیلی جنس کے تفتیشی سیل میں لا کر بٹھا دیا۔

کیپٹن راٹھور کا سونے سے پہلے ہی تفتیشی سلسلہ شروع ہو گیا اور پھر اسے سونے بھی نہ دیا گیا۔ تفتیشی عمل جاری تھا کہ چند ماہ بعد 23-22 جنوری 1979ء کو پاکستان کے بارڈر کے ساتھ جنگلوٹ، نگر کوٹہ اور جموں تک چھاپے مارے گئے اور 53 کے قریب فوجی افسران کی گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔

24 اگست 1978ء کو کیپٹن راٹھور کی گرفتاری تک تو پاکستان میں کسی قسم کا ردعمل نہ ہوا، مگر جب دیگر افسران کی گرفتاریوں کی خبر پھیلی تو پھر نہ صرف پاکستان چونکا بلکہ لاہور، سیالکوٹ، راولپنڈی اور کراچی تک سے 107 افسران کی گرفتاریاں بھی عمل میں آ گئیں۔

وہ تمام تر افسران انڈیا کیلئے جاسوسی کرتے تھے۔ ان میں سے چند افسران کے تو کیس بھی تین ہی دنوں میں نپٹانے اور ٹھکانے لگانے کی کوشش کی گئی۔ ملٹری کورٹ نے تین ہی دنوں کی فوری سماعت کے بعد ایک سپاہی، دو کرنل اور تین میجروں کو پھانسی چڑھا دیا۔ باقی ماندہ مجرمان کو بھی بھاری سزائیں اور پھانسی کی سزائیں سنائی گئیں۔ اس سے انڈیا کی طرف سے انڈیا ہی کیلئے بچھائے گئے جاسوسانہ جال کی جالی کمزور پڑتی چلی گئی۔

سامبھا دراصل جموں اور پٹھانکوٹ ہائی وے پر واقع ایک گاؤں کا نام ہے اور وہاں اڑتالیسویں انفنٹری ڈویژن کی 168 نمبر انفنٹری بریگیڈ تعینات ہے۔ اس لئے اسے سامبھا بریگیڈ کہا جاتا ہے۔ یہ ساری کی ساری بریگیڈ ہی جاسوسی میں ملوث پائی گئی۔ اس لئے اس مقدمے کو سامبھا جاسوسی سکینڈل کا نام دیا جاتا ہے۔

ملٹری انٹیلی جنس کے علاوہ دوسری سیکرٹ سروسز سے ملازمین بھی سامبھا سٹیشن پر تعینات کئے جاتے ہیں۔ پاکستان آرمی انٹیلی جنس اور دیگر سیکرٹ سروسز سے بھی ملازمین وہاں تعینات رہتے ہیں۔ اس لئے دونوں ممالک کی دفاعی حکمت عملیوں کی رو سے یہ علاقہ انتہائی حساس سمجھا جاتا ہے۔

کیپٹن راٹھور 527 انٹیلی جنس اینڈ فیلڈ کمپنی آف سیکیورٹی میں 1974ء تا 1976ء تک وہاں متعین رہا، اس کے ساتھ نگر کوٹہ کی کارپ 16 کا میجر ایس سی جولی اور مشرقی کمانڈ سے میجر آر پی مدن مخبروں کی مدد سے پاکستان کیلئے جاسوس کار تھے۔

قسمت کے رنگ دیکھئے کہ جو کیپٹن راٹھور 1977ء تک اپنی بہترین کارکردگی کی وجہ سے سراہا جاتا تھا، وہی بعد میں پاکستان کیلئے جاسوسی کے الزام میں ڈبل ایجنٹ کی حیثیت سے سزائے سخت کا منتظر تھا۔ مزید یہ کہ اس کے سابقہ ساتھی میجر جولی، میجر مدن، میجر سولانکی اور میجر تلوار سنگھ کی تفتیش بھی اس کے ساتھ ہی ہوئی، لیکن اس نے اپنے ابتدائی بیانات سے یکسر انکار کر دیا کہ وہ تیس یا اکتیس جولائی 1974ء کی رات کیپٹن ننگیال اور کسی گن مین کے ساتھ پاکستانی سرحد پر گیا تھا۔ اپنے پہلے دیئے گئے بیان بارے اس نے کہا کہ وہ بذریعہ تشدد لیا گیا تھا۔

کیپٹن اے کے رانا بھی سامبھا بریگیڈ ملٹری انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ میں 1978ء تک تعنیات رہا اور اسے بھی پاکستان کیلئے ہی جاسوسی کے الزام میں دھر لیا گیا۔

کیپٹن رانا 15 جنوری 1968ء کو سامبھا بریگیڈ تعینات ہوا اور مارچ 1976ء تک وہیں رہا، وہ کیپٹن راٹھور کی جگہ آیا تھا اور 27 اکتوبر 1978ء کو کیپٹن راٹھور کی ہی تفتیشی نشاندہی پر گرفتار ہوا تھا۔

اس نے انکشاف کیا کہ وہ کیپٹن رانا کو لے کر گیارہ جولائی اور پھر 19 جولائی 1976ء کو پاکستانی سرحد پار گیا اور وہاں اسے پاکستان ملٹری انٹیلی جنس کے آفیسر میجر اکبر خاں سے متعارف کرایا تھا۔ 22 اور 23 جنوری 1979ء کی رات کو 53 آرمی افسران کی گرفتاری سے پہلے تک ملٹری انٹیلی جنس برانچ کی سرگرمیوں سے کوئی بھی آگاہ نہ تھا۔ لیکن کسی حد تک یقین سا تھا کہ گرفتار افسران میں سے بہت سوں کے 78-1974ء کے دوران کیپٹن راٹھور اور کیپٹن رانا سے رابطے

ضرور تھے۔ 527 انٹیلی جنس اور فیلڈ سیکیورٹی سے متعلقہ باقی 90 کے قریب ملٹری ملازمین بھی تادیر آرمی کنٹرول میں ہی رہے۔ کیپٹن راٹھور سے پہلے کیپٹن ننگیال کو 1975ء میں پاکستان کے لئے جاسوسی کے الزام میں گرفتار کیا گیا تا لیکن اسے مجرم ثابت کرنے کیلئے شہادتیں کمزور تھیں۔ اس کے خلاف نائیک سربن داس اور گن مین آیا سنگھ نے شہادت دی کہ 1976ء میں کیپٹن ننگیال کیپٹن راٹھور کو لیکر پاکستان گیا تھا۔ آیا سنگھ کی حیثیت اس کیس میں دوہری تھی۔ وہ ملزم بھی تھا اور گواہ بھی، جبکہ دوسرے ملزم سربن داس کو ملٹری کورٹ نے دو دفعہ چھ چھ ماہ کی سزائے قید سنائی۔ 31-ڈویژن بمقام جھانسی سے اُسے پھر گرفتار کرلیا گیا، لیکن وہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا، بعدازاں جموں کشمیر میں اسے سیوا سنگھ نامی پولیس انسپکٹر نے گرفتار کرلیا۔ جہاں وہ پاکستانی فوجی میجر کی حیثیت سے ریوالور لے کر گھوم رہا تھا۔

پچھلی بار بحیثیت پاکستانی جاسوس جب وہ شکنجے میں آیا تھا تو ناکامی ثبوتوں کی وجہ سے معمولی سزا کا حق دار ٹھہرا تھا لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا، مگر اب کی بار اسے متعلقہ جرائم اور فرار کی پاداش میں سات سال سزائے قید وسخت سنائی گئی۔

وقت بھی عجیب کروٹیں بدلتا ہے۔ 1978ء میں آیا سنگھ کو بھی آرمی سے مفروری اور جاسوسی جرائم کی پاداش میں سات سال ہی سزائے سخت وقید ہوئی، لیکن بعدازاں آرمی تفتیش وتحقیقات میں وہ بھی ایک قیمتی شہادتی ثابت ہوا۔ کیپٹن راٹھور اور کیپٹن رانا کی سرگرمیوں کے پردے فاش اسی نے کئے تھے۔ اس دوران ڈائریکٹر ملٹری انٹیلی جنس میجر جنرل کاؤل کی جگہ 39 ویں سامبھا بریگیڈ ڈویژن کا کمانڈر میجر جنرل گاؤری شنکر آ گیا۔

سامبھا بریگیڈ کے کمانڈر ڈی پی نیر کے پی اے حوالدار پی پی سنگھ کو بھی چودہ سال کی سزائے سخت وقید ہوئی، البتہ 1977ء میں کیپٹن راٹھور کیساتھ کام کرنے والے اور اس کی صلاحیتوں کے معترف میجر مدن اور میجر جولی بری الذمہ قرار پائے۔ بعدازاں تحقیقات نے ثابت کیا کہ وہی دو ایسے آرمی افسران تھے جو پوری ہندوستانی فوج کا بھرم اور بھروسہ ثابت ہوئے۔ کیپٹن تلوار سنگھ کیپٹن راٹھور کا دایاں بازو تھا اور اسی نے سربن داس اور آیا سنگھ کو حوالات

سے فرار ہونے میں مدد فراہم کی تھی۔ بعد ازاں تفتیش و تحقیقات میں بھی وہ ان کا مددگار رہا، اور اس میں بھی ضرور کوئی راز پنہاں ہوگا۔

لطف اور حیرت انگیزی کی حد تو یہ ہے کہ اس سارے جاسوس سکینڈل کے خلاف جس قدر بھی شور وغل برپا ہوا، وزیر دفاع جگ جیون رام کے دماغ پر بال برابر بھی بوجھ نہ پڑا اور اپنے تئیں نہ ہی اس نے کسی قسم کی انکوائری کا حکم دیا۔ جو کچھ بھی ہوتا رہا حکمانہ طور پر ہی ہوتا رہا، جبکہ وزیر داخلہ وائی بی چاون کی چیخ و پکار عوام کو سنائی دیتی رہی۔ اعلیٰ حکام کے کان بند رکھنے اور آنکھیں موند لینے سے تو یہی عیاں ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے اوپر والوں کی نافرمانی مول نہ لے سکتے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ سچ کے منہ پر حکام کے حالات کا کوئی ایسا بھاری پتھر پڑا ہوا تھا کہ سچ بیچارہ سسک بھی نہ سکا۔

سشما سریش:

بہت سے سوالات ایسے ہیں جو سامبا سکینڈل کیس سے متعلقہ ہیں اور تا حال ان کے جوابات سامنے نہیں آسکے۔ یہ بھی ایک سوال ہی ہے کہ بذریعہ وزیر داخلہ وائی بی چاون سنٹرل بیورو کے ہاتھوں ہونیوالی سکینڈل ہذا کی تفتیش و تحقیق وزیر دفاع جگ جیون رام پر کیوں گراں گزر رہی تھی۔ 23-22 جنوری 1979ء کو ہی کیوں اور کیسے انڈیا کے مقابلے میں پاکستان نے بھی اپنے آرمی جاسوسی افسران کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ کیا کس فرشتے نے فی الفور انڈیا میں ہونیوالی آرمی جاسوسوں کی گرفتاریوں سے آگاہی دے دی تھی؟ 24 اگست 1978ء کو کیپٹن راٹھور کی گرفتاری کے ساتھ ہی پاکستان آرمی حکام کی آنکھیں 107 نمبر بٹالین سے متعلقہ افسران کے بارے میں کیوں شکوک و شبہات سے لبریز ہوگئی تھیں؟ کیوں اعلیٰ ملٹری حکام نے چند افسران کو دنوں میں ہی سزاؤں کی سلاخوں میں چن دیا؟

تحقیقاتی ماہرین کے مطابق آرمی ہیڈ کوارٹر کی فائلوں اور دستاویزات تک براہ راست رسائی رکھنے والے کردار نے اپنی گردن بچانے کیلئے آناً فاناً کئی ایک گردنوں پر چھری پھروا دی تھی۔ وزیر دفاع جگ جیون رام کے پوتے سریش کی سشما نامی قدرے بدنام سی خاتون کے

ساتھ مانیکا گاندھی کے ماہنامے ''ثریا'' میں قابل اعتراض تصویریں شائع ہوئیں تو انٹیلی جنس افسران نے کہا کہ سریش صاحب کو بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ ایک اندازہ یہ بھی تھا کہ چونکہ سریش منسٹری آف ڈیفنس میں کئی ایک راز و نیاز سے آگاہ تھا، لہٰذا اسے تھوڑا سا ہلا وادیا گیا۔ آخر کوئی ہے جو سچ کو سچ ثابت کرے، سانچ پر آنچ نہ آنے دے، یقیناً کوئی نہیں، جھوٹ کے اس آسمان پر سچ کا تارہ نہ ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا۔

13

اَجی۔ہوزن بال سکینڈل

امریکی ہمیشہ اپنے اس پہلو پر تفاخر میں رہے ہیں کہ ان کی سیکرٹ سروس میں کوئی ایک بھی دو نمبر اور مشکوک عہدیدار نہیں رہا ہے لیکن یہ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جس نے سی آئی اے کو اس قدر نقصانات پہنچائے کہ کوئی بدترین دشمن بھی اس حد تک نہ جا سکا اور اسی لئے امریکی حکومت بھی اُسے بھلا سکی اور نہ ہی معاف کر سکی۔ امریکیوں نے بڑے پکے قدموں سے اس کا تعاقب کیا اور پھر بالآخر برطانیہ سے بھی نکال کر دم لیا لیکن اس سے آگے اس وقت پھر مسئلہ کھڑا ہو گیا جب امریکی سپریم کورٹ نے جنوری 1981ء میں اجی کو امریکن پاسپورٹ دینے کا حکم دیدیا۔

امریکی سی آئی اے 1970ء کی دہائی میں بڑی خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ اس کے زیر سایہ اداروں میں جاسوسی کی غرض سے کوئی مشکوک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ فلبی، برجیس اور میکلین جیسے کرداروں کا تو دور دور تک شائبہ تک نہ تھا لیکن جلد ہی سی آئی اے کے اعتماد کا آسمان پھٹ پڑا۔ فلپ برنٹ فرینکلن اجی کا کردار اس قدر بھیانک ثابت ہوا کہ دُنیا کی نظروں میں سی آئی اے کا بھرم دو کوڑی کا ہو کر رہ گیا۔

”ان سائیڈ دی کمپنی“ نام کی کتاب میں ”سی آئی اے کی ڈائری“ کے عنوان سے اجی نے بہت ساری تنظیموں، ایجنٹوں اور سی آئی اے کے ملازمین کو ننگا کر دیا تھا۔ یہ کتاب 1975ء میں منظر عام پر آئی اور سی آئی اے کو اس قدر مہنگی پڑی کہ اسے پھر سے اپنے انہی ایجنٹوں اور ملازمین کے منہ سونگھنے

پڑے۔

اجی کے نشان زدہ ایجنٹوں اور جاسوسوں کو حریف جاسوس سمجھا گیا، جس سے فی الفور منظر یوں بدلا کہ ایتھنز اسٹیشن میں سی آئی اے کے چیف آفیسر کو کسی بندوق کی نالی نگل گئی اور بندوق بردار کا کام کسی میگزین میں رچرڈ ویلچ کی تصویر بمعہ ایڈریس پا کر آسان ہوا تھا۔

ایتھنز کے اخبارات کے مطابق رچرڈ ویلچ سفارتی سطح کا عہدیدار تھا اور دنیا بھر میں اپنی انٹیلی جنس خدمات سرانجام دے چکا تھا۔ سی آئی اے کے تفتیش کاروں کے مطابق اجی ہی ایسا کردار تھا جس کے کرتوت سی آئی اے کا دھڑن تختہ کرتے چلے گئے۔ کرنل جرزی پالوسکی اپنے آپ کو مغربی ایجنٹ کہلاتا تھا جبکہ کانگریس میں لیری میکڈونلڈ نے اسے روسی ایجنٹ ثابت کیا تھا۔ بالآخر 1975ء میں بغرض سی آئی اے جاسوس کار اسے پچیس برس کی سزائے قید سنائی گئی۔

یہ اجی کون تھا؟ سی آئی اے عہدیدار کی حیثیت سے اس نے لاطینی امریکہ میں بارہ سال اور میکسیکو میں انیس سال کام کیا اور پھر ذاتی وجوہات کی بنا پر جنوری 1969ء میں استعفیٰ دے دیا۔ بعدازاں اس نے بیان دیا تھا کہ وہ سی آئی اے کی ساکھ خراب کرنیوالی بدعنوانیوں، لالچ اور پھر اپنی بے قدری کی وجہ سے وہ مستعفی ہوا ہے۔ اجی اپنے تئیں قابل ضرور تھا کیونکہ میکسیکو کی ایک یونیورسٹی نے گریجوایشن کورس کیلئے اس کی صلاحیتوں سے استفادہ بھی کیا تھا اور سی آئی اے پر کتاب لکھ مارنے کا خیال بھی اسے اسی دوران ہی سوجھا تھا۔ سی آئی اے کیلئے اسے مناسب ترین لفظ بھی ''منافقت'' ہی سوجھا تھا کیونکہ دوست ممالک کے اداروں میں گڑبڑ، افراتفری اور بے جا مداخلت منافقت کے ہی باب ہیں۔

اس دوران اس کے روسیوں سے تعلقات استوار ہوئے اور اسی کتاب کے سلسلے میں اس نے چھ ماہ کیوبا میں بھی گزارے۔ کہا جاتا ہے کہ کیوبن ڈی جی آئی سے اس کے براہ راست تعلقات تھے۔ پیرس میں متعین ہوتے ہوئے بھی کیوبن دوستوں کی طرف اس کی آمدورفت تھی، جس کی 1974ء میں تصدیق بھی ہوگئی تھی۔ سی آئی اے سے فراغت کے بعد اس نے CIA ہی کے خلاف کام کرنا شروع کردیا۔ اس کی کتاب میں بھی ایجنٹوں اور جاسوسوں سے ہٹ کر ان

کنجیوں کی بھی معلومات تھیں جن سے سی آئی اے دنیا جہان کے تالے کھولتی تھی۔

اجی نے ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی رہائش انگلینڈ میں رکھی اور سی آئی اے کی ناک میں دم کئے رکھا۔ امریکہ نے جب اس کا تعاقب کرتے ہوئے اسے وہاں سے نکالنے کے لئے انگلینڈ پر دباؤ ڈالا تو اس کے ساتھ اس کے دست راست مارک ہوزن بال کا بھی بستر گول ہو گیا۔ اُن دونوں کرداروں کی پیشانیوں پر ان نیک نامیوں کے سٹکر چسپاں کیے گئے تھے کہ ان صاحبان کے بیرونی ممالک کے ایجنٹوں اور ایجنسیوں سے رابطے ہیں لہٰذا انگلینڈ ان دونوں کی مزید مہمان نوازی اور شہریت کا متحمل نہیں ہو سکتا ہے۔

اجی حالات کے آگے باآسانی گھٹنے ٹیکنے والا نہیں تھا۔ اس نے عوامی حمایت حاصل کرنے کیلئے اس حکم نامے کیخلاف اپیل دائر کر دی۔ دائیں بازو کے گروپوں نے ''اجی ہوزن بال ڈیفنس کمیٹی'' بنا کر انکی حمایت میں بڑی ریلیاں نکالیں اور اجی نے پریس کانفرنسوں سے پرمغز خطابات بھی کئے، لیکن شومئی قسمت کہ اس کی اپیلیں رد ہوئیں اور اسے برطانیہ بدری قبول کرنی پڑی اور ہمیشہ کیلئے یہ بھی ذہن میں سمجھا کر رکھنا پڑا کہ وہ کہیں بھی آ جا سکتا ہے مگر وہ امریکی نہیں کہلائے گا۔ سپریم کورٹ نے اسے امریکی پاسپورٹ دینے کا حکم تو دے دیا لیکن اس سے اس پاسپورٹ کو استعمال کرنے کا حق چھین لیا۔

14

گُنڈھر اور گلیئوم

> یہ ایک ایسا جاسوسی سکینڈل ہے جس کے اثرات دور رس ثابت ہوئے۔ اس سے نہ صرف مغربی جرمنی کے چانسلر کو مستعفی ہونا پڑا بلکہ شمالی اٹلانٹک تنظیمی معاہدے کے مینار تک ہل گئے۔

فیڈرل ری پبلک جرمنی چانسلر ولی برانٹ کے پرسنل اسسٹنٹ گنڈھر گلیوم کا اصل چہرہ سامنے آیا تو پتہ چلا کہ وہ تو مشرقی جرمنی کا نمک خوار جاسوس ہے۔ وہ سالہا سال سے مغربی جرمنی کی حساس ترین دستاویزات تک مشرقی جرمنی کی رسائی کا رسہ گیر رہا۔ گنڈھر سزائے سخت کا حقدار تو تھا ہی مگر قیدیوں کے تبادلے میں اس کا بھی بھلا ہو گیا اور مشرقی جرمنی پہنچ گیا۔

فیڈرل ری پبلک جرمنی کے چانسلر ولی برانٹ نے ملکی سطح کی اس واردات کو اپنی بہت بڑی غلطی تسلیم کیا لیکن وہ گنڈھر گلیوم کی ان کرتوتوں سے شمالی اٹیلانٹک تنظیمی معاہدے کو پہنچنے والے نقصان کا اندازہ کر کے ہل گئے۔

گنڈھر تین سال تک برانٹ کا پرسنل اسسٹنٹ رہا تھا، لہٰذا وقت کے اس بہت بڑے سیکنڈل کی ذمہ داری اپنے سر لے لینے کے سوا چانسلر ولی برانٹ کے پاس کوئی دوسرا چارہ ہی نہ تھا۔ مئی 1974 میں اپنا استعفیٰ دیتے ہوئے ولی برانٹ نے پھر سے اپنی غفلت کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے لکھا:

""مسٹر پریذیڈنٹ، گندھر گلیوم کے سازشی منصوبوں سے بے بہرہ ہونے اور اپنی سیاسی اور انتظامی ذمہ داریوں سے غفلت برتنے پر میں چانسلر کے عہدے سے از خود مستعفی ہو رہا ہوں۔""

بدقسمتی کی ان تمام تر وجوہات کی بنیادی ترجیحات گندھر کے ایک چہرے پہ اس کا دوسرا چہرہ تھا جس سے کہ وہ کوئی جاسوس وغیرہ تو ہرگز نہ لگتا تھا، لیکن عینک کے پیچھے سے اس کی آنکھیں الوؤں کی طرح رت جگوں کی ماری ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ گندھر گلیوم جوڑا 1956ء میں کمیونسٹوں کے ہاتھوں ستم زدہ اور مہاجر بن کر مغربی جرمنی وارد ہوا تھا اور اس نے اپنی ستم زدگی کے دوران ہی مشرقی جرمنی کے حالات پہ کافی گہری روشنی ڈالی تھی، پھر اس کا قیام بھی فرنیکفرٹ میں ہی تھا۔

ولی برانٹ کی سرکردگی میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے پلیٹ فارم پر اس جوڑے نے بڑی مستعدی اور سنجیدگی سے نہ صرف اس کی رکنیت حاصل کر لی بلکہ اوپر تک تعلقات بھی استوار کر لئے۔ یہاں تک کہ ان کی شبانہ روز محنت سے ایسا وقت بھی آ گیا کہ گندھر ولی برنٹ کے تین پرسنل اسسٹنٹ میں سے ایک کہلانے لگا اور چانسلر برانٹ کی اہم ترین دستاویزات تک بھی اسی کی رسائی ہو گئی۔

یہ وہ وقت تھا جب برانٹ مغربی اور مشرقی جرمنی کے درمیان کھڑی فاصلے کی فصیل گرا رہا تھا۔ گندھر نے اس موقع کا فائدہ اٹھا کر نہ جانے کون کونسی راز دارانہ دستاویزات مشرقی جرمنی کی جیب میں ڈال دیں۔ وہ اس حد تک آگے چلا گیا کہ مشرقی جرمنی کے ساتھ نپٹائے جانیوالے معاملات کی تفاصیل بھی دینے سے باز نہ رہ سکا۔ تمام تر خفیہ دستاویزاتی مواد کو اس نے صرف ایک جدید ترین آلے کے آگے پڑھنا ہی ہوتا تھا اور پھر اس کے بعد جہاں جہاں اس نے پہنچنا ہوتا تھا، پہنچ جاتا تھا۔ اس سلسلہ جاسوسی میں ناٹو ممالک کو درپیش مسائل پر ولی برانٹ اور صدر نکسن کا ایک خط بھی گندھر کے ہاتھ لگا۔

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایسا مواد کمیونسٹوں کیلئے کیسے مفید ہو سکتا تھا۔ اس

کے بعد گندھر کے ہاتھ جو دستاویزات لگتی رہیں وہ انہیں آگے سے آگے پہنچاتا رہا۔ دراصل شروع سے ہی اسکی نگرانی شروع کر دینی چاہیے تھی۔

مغربی جرمنی کی سیکیورٹی ایجنسیاں بعدازاں جان گئیں کہ مشرقی برلن میں وہ ایک ایسے طباعتی ادارے سے منسلک رہا تھا جس کا کام ہی جاسوسی سکینڈلز کی اشاعت تھا۔ 1973ء میں برٹش سیکیورٹی ایجنسی M1-5 کی اطلاع پر مغربی جرمنی کی سیکیورٹی ایجنسی BND نے اس کی نگرانی کرنی شروع کر دی۔ اس کے ساتھ اس کی شریک حیات کارکرسٹل بھی قابل تشویش تھی۔

BND نے کمیونسٹ ممالک کے خلاف اٹھائے جانیوالے اقدامات کی تفاصل چانسلر برانٹ کو بھیجیں تا کہ وہ اس مشکوک جوڑے کی مشکوکیت چیک کرے۔ سکیورٹی ایجنٹس نے رپورٹ دی کہ گندھر کی وزارت خارجہ میں کام کرنیوالی بیوی نے انگلینڈ سے مشرقی جرمنی میں اپنی کسی سیاستدان کی بیوی کو تحفہ ارسال کیا ہے۔ اس تحفہ نما پارسل میں حساس رازداریوں کے ہی تحائف تھے جو جلد ہی چانسلر برانٹ کی ٹیبل پر آن پہنچے۔

چانسلر برانٹ نے سردست اتنا ہی کیا کہ اگر گندھر کی بیوی ان سرگرمیوں میں واقعی مشکوک ثابت ہوئی تو اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی ہو گی، لیکن چونکہ اُن کے خلاف ثبوت نہ ہونے کے برابر ہیں، اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ ابھی سے اس کی وفادارانہ کارکردگی پر شک وشبہ کرنا مناسب نہیں ہے۔ گندھر اپنی چھٹیاں فرانس میں گزارتا تھا کیونکہ جرمنی میں ہوتے ہوئے بذریعہ خط و کتابت کیمونسٹوں سے رابطے مشکل تھے جبکہ فرانس سے آسان تھے۔

گندھر مشرقی جرمنی کو چانسلر برانٹ کی ذاتیات کی تفاصیل سے بھی مستفید کیا کرتا تھا کیونکہ سوویت یونین کیلئے مدمقابل کے کردار کے ایسے ویسے پہلو بھی پھل دار ہوا کرتے تھے۔ ویڈم بیلوزرووسکی نامی روسی سراغ رساں کی فرانس کو دی جانیوالی مخبری کے بعد مغربی جرمنی نے بھی گندھر کی نگرانی ذرا سخت کر دی۔ ویڈم بیلوزکووسکی، گندھر کو تب سے جانتا تھا جب وہ دونوں کیوملٹری اکیڈمی میں زیر تربیت تھے۔ فرانسیسی حکومت نے مغربی جرمنی کو آگاہی دی، اس نے تفتیش شروع کی لیکن اگلے ہی سال جب اسی گندھر کو چانسلر برانٹ کے پرسنل سٹاف میں پرسنل ہی پایا گیا تو

تفتیش کاروں کے قدموں کو بھی سٹاپ لگ گئے۔

برانٹ بھی بھانپ تو سب رہا تھا مگر نہ جانے کیوں، تا حال اہم اور حساس ترین دستاویزات گندھر کی دست برد میں تھیں اور وہ ناروے وغیرہ کی طرف برانٹ کی تعطیلات میں بھی تر و تازہ نظر آتا تھا اور وہ تازگی کیوں نہ ہوتی، اس کی تو پانچوں انگلیاں گھی میں تھیں۔

1973ء میں فرانس سے واپسی پر اسے گرفتار کرلیا گیا۔ اسے کلون ایئرپورٹ سے دبوچا گیا۔ یہ واقعہ مغربی جرمنی کے چانسلر ولی برانٹ کے منہ کی کالک اور پیشانی پر پشیمانی کا پرنٹڈ لیبل تھا۔

یہاں تک پہنچ کر بھی وہ معاملہ ختم نہ ہوا بلکہ مسئلہ بن کر برانٹ کے سیاسی کردار کو ٹُش کرتا ہوا اسے ڈوسلڈورف کی ہائی کورٹ تک بطور ملزم لے گیا۔ وہاں قریباً چھ ماہ تک اس کیس کی سخت قسم کی سماعت ہوئی اور پھر ان دونوں شراکت حیات کاروں، گندھر گلیوم کو 15 دسمبر 1974ء کو بتدریج پندرہ سال اور آٹھ سال کی سنائی گئیں۔ فیصلہ کے روز گندھر منہ میں چیونگم میں رکھے اور اس کی بیوی جمائیاں لیتے ہوئے پانچ ججوں کے سامنے بالکل عاقبت نااندیش ہو کر کھڑے پائے گئے۔

انہیں ملنے والی وہ سزائیں ان کے لئے زیادہ تکلیف دہ ثابت نہ ہوئیں کیونکہ وہ مشرقی جرمنی کے آنکھوں کے تارے تھے، لہٰذا ان کی رہائی کیلئے سفارشات داغی جانے لگیں اور اس نیک کام کیلئے مشرقی جرمنی نے ولگانگ بفل نامی ایک کائیاں قسم کے جاسوس کو فیڈرل ریپبلک جرمنی کے دارالحکومت بون میں بطور سفارتی عہدیدار تعینات کر دیا۔

جلد ہی ولگانگ اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا۔ مشرقی جرمنی زیر حراست قیدیوں کی باعزت رہائی کے لیے مغربی جرمنی کیساتھ بات چیت کے دائرہ عمل میں بھی داخل ہو گیا۔ گندھر نے اپنی شریک حیات کے ساتھ قید کے چھ ماہ ہی بھگتے ہوں گے کہ 1982ء میں مغربی اور مشرقی جرمنی کی جیلوں میں پڑے سیاسی اور غیر سیاسی قیدیوں کے ادل بدل میں گندھر نے ہمراہ کرسٹل مشرقی جرمنی سے رہائی پا کر اپنی صبح زندگی میں ایک انتہائی خوشگوار سورج کا طلوع دیکھا۔

بون جیل سے رہائی پاتے ہی بیماری کی وجہ سے اسے ہسپتال کی قید میں ڈال دیا گیا، جہاں پر نفسیاتی شفاء کیلئے باہر ہزاروں صحافیوں اور فوٹو گرافروں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ مغربی جرمنی کی

حکومت نے اس معاملے پر زیادہ منہ کھولنا مناسب نہ سمجھا۔ بہر حال ہسپتال کے قریب ہی کھڑے ایک ہیلی کاپٹر نے پھڑ پھڑاتے ہوئے ہوا کے دوش پر چند منٹ بوجھ بنے رہنے کے بعد اپنا وہ بوجھ نیچے کھڑی ایک ایمبولینس کے پہلو میں پہنچا دیا، جس نے مشرقی جرمنی کا رخ کر کے اخبارات کا گھر بھر دیا کہ گندھر مشرقی جرمنی سدھار گیا ہے۔

جاسوس کار، حکومت سوار:

گندھر گلیوم کی رہائی پر معروف کالم نگار جیک اینڈرسن نے 60-1950ء کی دہائی میں اپنے کالموں میں حکومتی مسند کے سو فیصد امیدوار ولی برانٹ کو بھی جب سی آئی اے کا ماہانہ پروردہ ثابت کرنے کی کوشش کی تو حالات خاصے ہیجان خیز ہو گئے۔ دوسری جنگ عظیم کی شروعات میں برانٹ ایک روزنامے میں ایک نکما قسم کا رپورٹر تھا لیکن کسی نہ کسی طرح اس کا وہی قلم سی آئی اے کی کمان میں فٹ ہو گیا اور ان دنوں تو بمعہ برانٹ کوئی خواب میں بھی نہ دیکھ سکتا تھا کہ آنیوالے کسی وقت میں ولی برانٹ مغربی جرمنی کا چانسلر ہوگا۔

اسی دوران سی آئی اے افسران کو شبہ ہوا کہ برانٹ کے جی بی کیلئے معلومات کا فروخت کنندہ ہے۔ چنانچہ سی آئی اے نے اس کا تھوڑا سا رخ موڑ کر اسے آگے بڑھنے کیلئے بڑی بڑھوتری دی، بلکہ الزامات بھی سر اٹھانے لگے کہ برانٹ کا سیاسی سفر تو ہے ہی سی آئی اے کا مرہون منت۔ حیرت انگیز بات یہ رہی کہ ان الزامات کے سیلاب کے سبب اینڈرسن کے خلاف کبھی کسی کورٹ کا دروازہ تک نہ ہلایا گیا کہ کہیں ان سب الزامات کا ظاہر باطن ایک ہی نہ ہو۔

15

لی ہنگ مار چینکو

یہ معاملہ اور مسئلہ ایک کیمونسٹ ملک کی دوسرے کیمونسٹ ملک میں مداخلت اور جاسوسی پر مبنی ہے۔ 1960ء تک تو روس کے کرتا دھرتا چین کے مددگار رہے لیکن جب اسلحہ سازی کا سود و زیاں بڑھا تو سب کو اپنی اپنی پڑ گئی۔ کے جی بی نے ٹوہ لگانی شروع کر دی کہ چین میں کیا ہو رہا ہے؟ لیکن کے جی بی کی ان جاسوسانہ کوششوں کا انجام کوئی زیادہ خوش گوار نہ ہوا۔ اگرچہ سازشوں کے میدان اور جاسوسی میں چین کی امریکہ اور روس جتنی آنکھیں تو نہیں کھلی تھیں مگر اس نے یہ جان لیا تھا کہ ان کھلاڑیوں کو ناک آؤٹ کیسے کرنا ہے۔

چین میں روسی سفارت خانے کے فرسٹ سیکریٹری کو پیکنگ میں دریائے پاہو کے پل کے نیچے سے گرفتار کر لیا گیا۔ وہ 15 جنوری کی ایک سرد ترین رات تھی جب فرسٹ سیکرٹری وی آئی مار چینکو اپنی وولگا کار میں اپنی بیوی، دو دوسرے سفارتی عہدیداران اور ایک مترجم کیساتھ چینی ایجنٹوں سے ملاقات کیلئے منتظر کھڑے تھے کہ وہ اچانک چاروں طرف سے سپر انٹیلی جینس کے سرخ پوش اہلکاروں کے گھیرے میں آ گئے۔

گرفتاری کے وقت ان روسیوں نے منہ پر ماسک اور ماؤ طرز کی جیکٹس پہن رکھی تھیں اور لی ہنگ شو سے کچھ معلومات لینے اور ”خدمت انسان“ کے لیبل شدہ بڑے مواصلاتی سسٹم کا حامل اٹیچی کیس دینے کے منتظر کھڑے تھے۔

گرفتاری کے بعد ان روسیوں کی تصاویر لے کر انہیں چار دن تک سلاخوں کے پیچھے رکھا گیا اور بعد ازاں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لی ہنگ کی یہ لائن کیوں تھی۔

لی ہنگ کی ماسکو میں کے جی بی نے تربیت کی تھی۔ چین کے بارڈر پر تعنیاتی اور اس کا معاوضہ بھی ٹھیک ٹھاک تھا۔ چائنیز سیکرٹ سروسز ایجنسی کو لی ہنگ پر شک یوں ہوا کہ بظاہر اس کا کوئی کاروبار اور نوکری وغیرہ نہ تھی مگر طرز زندگی انتہائی رشک آمیز تھی۔ ستمبر 1973ء میں اس نے روس اور چین کے ملحقہ بارڈر کے ساتھ ساتھ صوبہ موتان کیانگ اور چیاموسوزو کا طویل تر سفر کیا۔ اس دوران ہی اُس کے مارچینکو سے رابطے ہوئے اور پھر پہلی ہی فرصت میں اس نے ٹرین پکڑی اور پیکنگ پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے اپنے چھوٹے سے ریڈیو سے متعلقہ روسیوں سے رابطہ کیا اور دریائے پاہو کے پل کے نیچے ان کا انتظار کرنے لگا۔

لی ہنگ اور روسیوں کے تو وہم وگمان میں ہی نہ تھا کہ ان کی خفیہ گفت وشنید نہ صرف شنید ہو گئی ہے بلکہ وہ چاروں اطراف سے گھیراؤ میں گھرتا چلا آرہا ہے۔ گرفتاری کے وقت لی ہنگ نے بمعہ اپنے ریڈیو بھاگنے کی کوشش کی لیکن دھر لیا گیا۔

ان روسیوں کو بحیثیت سفارتکار کسی قانونی شکنجے میں کسنے یا سزائے سخت میں ڈالنے کی بجائے چین سے نکال دیا گیا، حالانکہ چین کی سالمیت کے خلاف اور کمیونسٹ قواعد کے مطابق سازش کرنے اور جاسوسی کے الزامات پر ان کی بھی سزائیں کافی عبرت ناک بنتی تھیں۔

16

ہیتھ اور ہوم

برطانوی سیکرٹ ایجنسی MI5 نے پرائم منسٹر ہیرولڈ ولسن کے دور میں 105 روسی مشتبہ افراد کی فہرست جاری کرتے ہوئے حکم صادر کیا کہ جتنی جلد سے جلد یہ افراد برطانیہ سے نکل جائیں۔لیکن حیرت ہے ولسن گورنمنٹ فی الفور اپنے حکم نامے پر عملدارآمد نہ کرا سکی اور پھر جب اس پر عملدارآمد ہوا تو اس وقت تک بین الاقوامی سطح پر ماسکو کے منہ پر طمانچہ بھی پڑ چکا تھا۔آئیں پڑھتے ہیں کہ، اتنا بڑا واقعہ کیسے اور کیونکر ہوا؟

ویز اعظم ایڈورڈ ہیتھ نے اپنے وزیر خارجہ سر ڈگلس ہوم کی رپورٹ پر لندن میں متعین 105 روسی سفارتکاروں کو فی الفور انگلینڈ سے نکل جانے کا حکم دے دیا تو اس کے عوض روس نے بھی اٹھارہ برطانویوں کو روس بدر کر دیا لیکن یہ تعداد 105 کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی۔اس سے روسی حکومت کو تو صدمہ ہونا ہی تھا لیکن کے جی بی کے ڈیپارٹمنٹ 5 کے اس کردار کو بھی کافی تکلیف پہنچی جس نے اپنے ان 105 کرداروں کی نشاندہی کی تھی۔

جہاں جہاں اور جیسے جیسے جو تہس نہس اور غارت گری ہوئی تھی، ذمہ داری ڈیپارٹمنٹ 5 پر ہی عائد ہوئی تھی اور آئندہ کیلئے روسی حکومت از خود پریشان تھی کہ نہ جانے کس گھڑی کہاں کیا ہو جائے۔برطانیہ کو دیکھتے ہوئے دیگر مغربی ممالک نے بھی روسی جاسوسی کے متعلق اپنے ہاتھ سخت

کیئے تو ان ممالک میں بھی قتل و غارت گری بھی کم ہوئی اور کے جی بی کو بھی ریورس گیئر استعمال میں لانا پڑا۔

ویلھری کو سیلکو و نے میکسیکو، جبکہ دوسرے تیسرے سفارتی عہدیداروں نے جلد از جلد ایتھنز اور پیرس چھوڑا اور ماسکو پہنچ کر اپنے سانس بحال کیئے۔ KGB کے مایہ ناز ایجنٹ اولیگ لائلین جس نے برطانیہ میں رہ کر بڑا کام دکھایا تھا، اس نے ہی دوسری طرف ماسکو تک تار ہلا دیئے تھے۔ اسے کمال کاریگری یا پھر حیرت انگیزی کہیے کہ اگست 1971ء میں لندن ٹریفک پولیس نے ٹوٹن ہام روڈ پر دوران چیکنگ جن زائید السپیڈ اور آوٹ آف ٹریفک رولز گاڑیوں کو روکا اور چالان کیئے ان میں سے ایک گاڑی اس اولیگ لائلین کی بھی تھی۔ اس نے شراب بھی چڑھائی ہوئی تھی جس پر اسے L50 جرمانہ ہوا جو کہ روسی ایمبیسی کے سیکیورٹی آفیسر نے ادا بھی کر دیا تھا۔

ایرینا ٹاپلی کو وو نام کی سنہرے بالوں والی ایک سیکرٹری کبھی اس کے ساتھ کام کیا کرتی تھی، لہٰذا اس نے خواہش کی کہ اگر اسے ہی دوبارہ اس کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو وہ نہ صرف کمال کارکردگی دکھائے گا بلکہ یقینی تحفظ کے عوض روسی ایجنٹوں کا بھی سارا کچا چٹھہ کھول دکھائے گا۔ جرمانہ کی سزا سے قبل جب اسے عدالت میں پیش کیا گیا تھا تو برطانوی سیکرٹ ایجنسی M1-5 کو خدشہ لاحق ہوا کہ عدالت کے خوف کی وجہ سے، کہیں وہ اپنا ذہن ہی نہ بدل لے، لہٰذا ایجنسی فی الفور اسے کسی پرسکون اور محفوظ مقام پر لے گئی۔

آئندہ کیلئے KGB کی فہرست میں کون، کہاں، کب اور کیسے قابل غارت تھا، لائلین کے شعور کی سکرین میں عین عیاں تھا اور ڈیپارٹمنٹ 5 کے سربراہ کی حیثیت سے جو تھا، سچ ہی تھا۔ اس نے اعتراف کیا کہ ویسے تو کئی ایک خطرناک ترین کام اس کی صوابدید پر تھے لیکن فلائنگ ڈیل میں برطانیہ اور نیٹو کے راڈار سٹیشنز کی بیخ کنی اس کی ذاتی ترجیحات تھیں۔

وہ راڈار اسٹیشنز روسی پیش قدمی کی قبل از وقت پیش بندی کیلئے قائم کیئے گئے تھے۔ لائلین کے بیان سے عیاں ہو گیا کہ روس نے جتنے بھی ٹریڈ مشن یا سفارتی عہدیدار متعین کیئے تھے ان کا مقصد جنگی نقصانات ہی تھا۔ برطانوی حکومت نے نہ صرف ان پیش آوردہ خدشات و خطرات سے

وہ روٹزنگر بڑا ہی کایاں شخص تھا۔ اس نے بہت جلد اس حساس معاملے کی تہہ تک پہنچنا شروع کر دیا۔ اگر وہ کاغذات بمعنی ملٹری ملکیت چوری ہو جانے کے زمرے میں نہ آتے اور پولیس بھی مطلع نہ ہوتی تو پھر روٹزنگر کے گلے میں کسی بھی قسم کی مصیبت گھنٹی بن کر نہ بندھتی۔ کچھ عرصہ پیشتر اس نے فرائین کینچ نام کے ایک جرمن اور بظاہر شریف سے شخص کو وہ گودام کرایہ پر دیدیا تھا جو اگلے ہفتے تک حالات کا رخ بھانپ رہا تھا۔

مارچ 1969ء کے پہلے ہفتہ میں روٹزنگر نے اپنے انہی گوداموں پر ایک مرسڈیز کار میں سے سٹریکر نامی ایک نوجوان جرمن کو باہر نکلتے دیکھا جو فرائین کینچ کے گودام میں سے گزر کر روٹزنگر کے دوسرے گوداموں میں گھس گیا۔ ان میں سے بھی ایک گودام روٹزنگر نے بہت پہلے ایک ٹرانسپورٹ کمپنی کو کرایہ پر دیا ہوا تھا اور وہ سٹریکر اس کمپنی کا مینجر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ گوداموں سے باہر آیا اور ایک بڑے وزن دار تھیلے کیساتھ ایک چھوٹا تھیلا لا کر کار کے کہیں پیچھے کی طرف رکھنے لگا تو دور کھڑے روٹزنگر کے بھائی سے نہ رہا گیا، کہ کیا ہو رہا ہے اور وہ کیا کہ رہا ہے؟ آگے سے کسی قسم کا جواب دینے کی بجائے سٹریکر میں بھی ہمت نہ رہی اور اس نے وہ سب کچھ ایک طرف پھینک کر کار کو سلف مارا اور یہ چلا گیا۔

ان تھیلوں میں ویسے ہی کاغذات بھرے ہوئے تھے جیسا کہ گذشتہ ہفتہ میں وہ پرزہ ہوا میں سیر کرتا پھر رہا تھا۔ حیرت ہے کہ ان سب کاغذات پر ایک ہی قسم کی مخصوص اور منحوس سی تحریر تھی، ٹاپ سیکرٹ، ملکیت سوئس ملٹری ڈیپارٹمنٹ، روٹزنگر نے پولیس کو مطلع کرنے کا ذہن بھی بنا لیا۔

اس معاملے کو بڑی حساس نوعیت سے لیا گیا اور تمام تر اہم حکومتی محکمہ جات سے افسران بالا کو جائے وقوعہ پر بلا لیا گیا۔ روٹزنگر کی کھڑی فصل حکومتی عہدیداروں کی کاروں اور جیپوں سے تباہ ہو کر رہ گئی تھی۔ فرائین کینچ اسی شام گرفتار ہوتے ہی مان گیا کہ وہ فرانسیسی ساختہ میراج (iii) کے تمام تر اہم اور شفاف نقشہ جات اسرائیل کو فراہم کرتا ہے اور صرف L110 ہفتہ وار حاصل کرتا رہا ہے۔

اُس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ، اگر چہ وہ یہودی بھی نہیں ہے پھر بھی اس کا اخلاقی فریضہ اسے

اسرائیل کی مدد پر مجبور کرتا رہا کیونکہ اس کا ملک ان کیساتھ انتہائی بہیمانہ سلوک کرتا رہا ہے اور وہ بھی کفارے کے طور پر ایسا کر رہا ہے۔ فرانسیسی میراج (iii) کی نقول وہاں بھیجنا بھی بس اس کی دیوانگی ہی تھی حالانکہ اسرائیل از خود بھی اس قسم کی طیارہ سازی کی صلاحیت رکھتا تھا۔

فرائین کینچ، سوئٹزرلینڈ میں سولزر برادرز کی وندرتھر میراج (iii) طیارہ ساز کمپنی میں چیف انجینئر تھا اور میراج (iii) کے پرزہ جات کے حصول کیلئے وہاں آنے جانیوالے اسرائیلی انجینئرز کو اپنے تعاون کی پیشکش بھی اس نے از خود کی تھی۔ بس پھر یہاں سے ہی وہ نقشہ جات، کاغذات کی ترسیل تک جا پہنچا جیسے کہ اس نے سارے سوئٹزرلینڈ کو ہی ترسیل کر دیا ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز پہلو تو یہ پیدا ہوا کہ وہاں وندرتھر فیکٹری میں فرائین کینچ کے فراہم کردہ کاغذات سے قریباً گودام ہی بھر گیا ہوگا اور اگرچہ وہ کاغذات قیمتی تھے مگر انہیں کہیں ٹھکانے لگانا بھی مقصود تھا، لہٰذا جب اسی مہربان سے رابطہ کیا گیا تو اس کے ذہن سے بھی کمال تجویز سامنے آئی کہ کیوں نہ اس سارے مواد کی مائیکروفلم بنالی جائے تاکہ باقی ماندہ سب ملبہ ضائع کر دیا جائے۔

اس کمپنی کو اس کی یہ تجویز بہت پسند آئی اور انہوں نے اس سارے کی ذمہ داری بھی اسی پر ڈال دی اور اس نے آگے اپنے ایک ڈرائیور کی ڈیوٹی لگادی کہ وہ اس ملبے کو کارپوریشن کی کوڑا کرکٹ جلانے والی بھٹیوں میں انتہائی احتیاط سے ڈالتا رہے۔ اس ڈرائیور نے پہلے تو فیکٹری اور کارپوریشن بھٹیوں کے درمیان میں ایک گیراج لیا، اسے اس ملبے سے بھرا اور پھر آہستہ آہستہ اپنا اور اس کا کام تمام کرتا رہا۔ اگرچہ وہ کوڑا کرکٹ جلانے کی بھی سوئس سکیورٹی ہوتی تھی، مبادا، کہیں کوئی نقصان نہ ہو، لیکن آگے تک جا کر کوئی بھی نہ دیکھتا تھا کہ کیا کچھ اور کیوں جلایا جا رہا ہے۔

سٹرائیکر اسرائیل پرواز کر گیا، لیکن بکرے کی ماں زیادہ دن خیر نہ منا سکی، لوہے کی بجائے سلاخوں پیچھے پہنچا دی گئی تھی۔ یہ صورت حال دیکھ کر فرائین کینچ نے سوئس حکومت کو مشورہ دیا کہ اس معاملے کو حساس مسئلہ بنا کر سوئس فرنچ تعلقات خراب نہ کئے جائیں، لیکن اس کی لغویات پر کان نہ دھرے گئے اور قریباً اٹھارہ ماہ کی تفتیش و تحقیق کے بعد اسے عدالت کا بھی منہ دکھا دیا گیا،

جبکہ اخبارات کو بھی رت نیا مرچ مصالحہ درکار تھا، اس طرح سوئس ملٹری تخریب کاری اور صنعتی سازش ایکٹ کے تحت اسے ساڑھے چار سال کیلئے اسے جیل بھیج دیا گیا۔ رہائی کے بعد وہ سیدھا اسرائیل چلا گیا جہاں اسے اس کے ان کارناموں اور کرتوتوں کی وجہ سے ”رونق اسرائیل“ بنا دیا گیا، یعنی بدنام جو ہوئے تو کیا نام نہ ہوا۔

جاسوسی بذریعہ شعاع کاری

یہ کارنامہ 1979ء میں وقوع پذیر ہوا۔ ایک KGB ایجنٹ CIA میں گھس آیا اور روسی صدر برزنیف اور وزیر اعظم کے مابین ہونیوالی گفتگو ماسکو بھیجنے میں کامیاب رہا، حالانکہ وہ گفتگو دوران سفر کار میں ہوئی تھی۔ تحقیق و تفتیش کے نتیجے میں معلوم ہوا کہ امریکہ الیکٹرونکس جاسوسی میں بھی نمبر ایک ہی ہے۔ اس مقصد کے لئے بذریعہ سیٹلائٹ گاما ریز شعاعیں زمین پر مقرر کردہ جگہ پر ڈالی جاتی ہیں اور واپسی پر وہ آوازوں کی لہریں اور اثرات وغیرہ ساتھ لے جاتی ہیں۔ وہاں سے انہیں مزید سپیشل آلات کے ذریعہ ان کی اصل صورت میں لایا جاتا ہے۔ اسے سٹیلائیٹ جاسوسی بھی کہہ سکتے ہیں جس کے ذریعے اب کسی کی گفتگو سننا مشکل نہیں رہا۔

18

خودکشیاں

شمالی اٹلانٹک ٹریٹی آرگنائیزیشن کے نیول ونگ کی طرف سے ایڈمرل ہرمین لیوڈ کیلئے یہ ایک الوداعی پارٹی تھی۔ اس کے بہت سے پیشہ ورانہ بھائی اس کی تعریف وتحسین میں لگے ہوئے تھے، جبکہ دوسری جانب ایک ایجنٹس دستہ اس پارٹی کے خاتمے کا منتظر تھا، کیونکہ کچھ دیر قبل ہی انہیں معلوم ہوا تھا کہ ایڈمرل صاحب بحیثیت روسی نمک خوار اور ایجنٹ برسرِ پیکار رہے ہیں۔ یہ تفصیلات سامنے آنے کے بعد اس سکینڈل سے جڑے بہت سارے لوگ گرفتار کر لئے گئے تاہم ان میں کئی ایک نے خودکشیاں کرلیں اور اس سے صورت حال خراب ہوگئی۔ کیونکہ اس طرح اس سازش کی تہہ تک پہنچنے کا خواب چکنا چور ہوگیا۔ آخر ان تمام تر خودکشیوں میں پنہاں راز کیا تھے؟ دنیا ے سازش میں ایسا بھیانک اور بھید بھرا وقوعہ کیونکہ وقوع پذیر ہوا۔ آیئے پڑھتے ہیں۔

مغربی جرمنی کے دارالحکومت بون میں ہینڈرخ شینڈر نام کے فوٹوگرافر نے اپنے ڈارک روم میں اس فلم پر عمل کیمیائی کے بعد اس کے پرنٹ نکالنے شروع کر دیئے۔ اس جاسوسی اور سازشی کہانی کی ابتدا بھی یہیں سے ہوتی ہے۔ ہینڈرخ شینڈر، نیگیٹو، پوزیٹو، انلارجنگ کیمیکلنگ اور کٹنگ وغیرہ سے جب تھک گیا تو ایک کپ کافی پینے کے لئے اس نے کام چھوڑ دیا۔ جب اس نے دوبارہ ایک 35mm فلم کو انلارجنگ کے عمل سے گزارا تو وہ کسی خاندان کے بچوں وغیرہ پر

مشتمل گھریلو فلم تھی لیکن کیمرہ کوئی باکمال قسم کا استعمال کیا گیا تھا۔

ان سے اگلے نیگیٹوز کی جب اس نے انلا جنگ شروع کی تو ایک انتہائی آرام دہ بیڈ روم میں ایک خوبرو حسینہ کو کپڑے اتارتے ہوئے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ آگے آگے کی تصاویر بھی باکمال ہی تھیں۔ پھر اگلی تصاویر شینڈران تصاویر سے ہٹ کر کچھ مخصوص قسم کی دستاویزات دیکھ کر ہل گیا، اور جب اسے ان دستاویزوں میں سے بعض پر، نیٹو، کاسمک اور ٹاپ سیکرٹ کے عنوانات نظر آنے لگے تو اسے اپنی نظارت پر بھی شک سا ہونے لگا۔

ہینڈرخ شینڈر کو بہت سے کاغذات انتہائی حساس نوعیت کے ساتھ نیٹو ممالک کے دماغ سے متعلقہ معلوم ہوئے بلکہ کسی بعض کسی گہری سازش کا بھی پیش خیمہ لگے۔ اُس نے جلد فیصلہ کیا اور پولیس کو فون کر دیا۔ جلد ہی وہاں پولیس بھی پہنچ گئی اور انہوں نے اس فوٹو گرافر کے رجسٹر اندراج میں سے متعلقہ فلم نیگیٹو دہندہ کا نام تو تلاش کر لیا مگر پھر اپنے ہاتھوں کے طوطے اڑتے ہوئے محسوس ہونے لگے کیونکہ وہ نام ریئر ایڈمرل ہرمین لیوڈ کے کا تھا۔ یعنی نیٹو ممالک کے سپریم ہیڈ کوارٹر اور یورپ کی متحدہ طاقت کے طاقتور سربراہ کا نام، ایک منصوبہ بند مہرے کا نام۔ اٹامک میزائل سازی اور میزائل کاری کے تمام مراکز اس کی انگلیوں میں مرکوز رہتے تھے کیونکہ یورپی ممالک کے علاوہ خلیجی ممالک کے دفاعی خدشات وخطرات بھی اسی کے دردسر تھے۔

ایڈمرل ہرمین لیوڈ نیٹو ممالک کے اخراجات اور تیل وغیرہ کے ذخائر سے لے کر حالات جنگ میں انکی پیش بندی اور پیش قدمی تک کے اختیارات کا حامل تھا۔ انتہائی اعلیٰ درجے کے افسران کی تعیناتیوں سے لے کر نیٹو کی مستقبل قریبکی منصوبہ بندیاں بھی اسی کی مرہون منت تھیں۔ لہٰذا جو کچھ اس کے دماغ میں محفوظ تھا، وہ دشمن کی دہلیز پار کر جاتا تو نیٹو کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے اور سارے کا سارا یورپ بھی کسی جہنم کا ٹریلر بن جاتا۔

نیٹو ہیڈ کوارٹر آڈیٹوریم میں ایڈمرل ہرمین کبھی چوڑا ہو کر تو کبھی دراز ہو کر اپنے اعزاز میں دی گئی الوداعی پارٹی سے خوب لطف اندوز ہو رہا تھا، اور اس 57 سالہ ایڈمرل کے چہرے مہرے پر عمر رفتہ کا نشان تک نہ تھا۔ ہر شے رنگ آمیز اور جواں جواں سی لگ رہی تھی۔ اس نے نیٹو سروس

بڑی تندہی اور لگن کے ساتھ کی تھی اور ایک نام اور مقام پایا تھا، جبکہ اب بوجہ بیماری رخصت پر جا رہا تھا۔ اس کے تعارف میں ایمانداری، محنت اور ساتھی افسران سے ملنے والی عزت اور احترام بھی تھا۔ اس وقت بھی وہ چلتا پھرتا ایک قابل دید وقدر و منزلت والا کمانڈر دکھائی دے رہا تھا۔

اس کی بدقسمتی دبے پاؤں چلی آئی تھی۔ مغربی جرمنی سیکرٹ سروس NBD کے ایجنٹس اسی رنگا رنگ ہال میں آ گئے اور آرام سے پچھلی نشستوں پر بیٹھتے گئے۔ جرمن چانسلر کے حکم پر نیٹو ہیڈ کوارٹر کی پوری بلڈنگ کو گھیرے میں لیلیا گیا۔ جونہی تقریب اختتام پذیر ہوئی تو ایڈمرل ہرمین کے ادب واحترام کا بھی اختتام ہو گیا اور اسے الگ کمرے میں لے جا کر وہی تصاویر ایک ایک کر کے دکھائی گئیں۔ تصاویر دیکھ کر ایڈمرل ہرمین کی ساری بہادری ختم ہو گئی اور تھوڑی سی پوچھ گچھ کے بعد اس نے حامی بھری کہ وہ تصاویر اسی سے متعلقہ ہیں۔ مزید پوچھ گچھ میں اس نے ساتھی چہروں کے بھی نام اور تعارف تک کرا دیئے۔ تاہم جب اس حسینہ کی ننگی تصاویر سامنے آئیں تو وہ چونک پڑا اور اس نے زور سے کہا:

"ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، یہ اس کے خلاف کوئی سازش ہے۔"

آنے والے دن اور رات کی حراست میں سلاخوں کے پیچھے پہنچ کر بھی اس نے یہی کہا اور بار بار کہا کہ اس کے ساتھ کسی نے ظلم کیا ہے اور وہ اس معاملے میں مکمل طور پر بے قصور ہے۔ اس کے گھر کی تلاشی میں بھی کوئی ایسا مواد ہاتھ نہ لگا۔ اس کے بعد اس نے تفتیشی حکام سے چند ضروری کاموں کی فوری تکمیل کیلئے اپنے دفتر تک جانے کی درخواست کی، جو مان لی گئی۔ سخت سکیورٹی میں اسے دفتر لے جایا گیا تاہم وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

چند دن بعد اس کی لاش ایفل پہاڑ کے دامن کی شکارگاہ میں پائی گئی۔ شواہد سے پتہ چلا کہ وہ اپنے ہی سروس ریوالور سے نکلی ہوئی گولیوں کا نشانہ بنا۔

اس امر واقعہ کو خودکشی ہی قرار دیا گیا مگر گولیاں اُسے پیچھے سے پشت کے نیچے اور کولہے کے اوپر لگی ہوئی تھیں۔ گولیوں کے نشان کے زخم کہتے تھے، یہ خودکشی نہیں ہوسکتی بلکہ یہ قتل تھا۔ لیکن اس قتل کا نہ کوئی قاتل سامنے آیا اور نہ ہی تفتیش کسی طرف لگی۔

اس کیس میں مزید Thrill اس وقت پیدا ہوا جب ٹھیک دو ہفتے بعد تیرہ افراد نے اس ایک انسان کی زندگی کے ضیاع میں اپنی زندگیاں دریائے ضیاع میں بہا دیں۔ عقل وفہم کے اعتبار سے ہرمین کوئی ایسا اور اتنا ہر دلعزیز اور قابل پرستش کردار بھی نہ تھا کہ لوگ اس کی خاطر خود کشیاں کر لیتے۔

پولاچ میں اگلے ہی دن مغربی جرمنی انٹیلی جنس NBD کے ڈپٹی چیف میجر جنرل ہورسٹ وینڈ لینڈ نے بھی اپنے ہی دفتر میں اپنے ہی ریوالور سے اپنا کام آسان کر لیا اور اس کی لاش بھی اس کے مرحوم دوست ایڈمرل ہرمین کے قریب زمین میں اُتار دی گئی۔ ٹھیک دس دن بعد جرمن ڈیفنس منسٹری کے ٹرانسپورٹ انچارج لیفٹیننٹ کرنل جوہانس گرم نے بھی اپنے دفتر میں ہی اپنے پسٹل سے اپنا بوجھ ہلکا کر لیا۔

ڈیفنس منسٹری میں ہی ریکارڈ برانچ کے انچارج ایڈلٹراڈ گریپن نے یہی کام جاگتے کی بجائے سوتے میں زیادہ سے زیادہ گولیاں کھا کر کیا اور عین اسی دن وزارت تجارت کے عہدیدار نے ذرا مشکل طریقہ کار اپناتے ہوئے اپنے گھر میں چھت سے جھولا جھول لیا۔ اگلے تین دن سوگ میں سوئے رہے جبکہ چوتھے دن ڈیفنس منسٹری کے عہدیدار گرہرڈ بوئم کی لاش دریائے ریان میں تیرتی ہوئی پائی گئی۔

ان کے علاوہ بھی کئی ایک اموات واقعہ ہوئیں جن سے مغربی جرمنی کے ماحول پر افسردگی اور اداسی کی ایک شام طاری ہوگئی اور جرمن انتظامیہ اس وہم میں ملوث ہوگئی کہ ان اموات اور خود کشیوں کے پیچھے غم ہرمین ہی نہیں کوئی سنگین حالات وحادثات بھی ہیں۔ اس دوران مشرقی جرمنی سے مغربی جرمنی میں آکر پناہ لینے والے چھ ایجنٹ بھی غائب ہوگئے۔

1975ء میں CIA سے امریکی حکومت نے ان سنگین حالات کی تفتیش وتحقیق چاہی تو جلد یہ حیرت ناک حقائق سامنے آتے چلے گئے کہ ایڈمرل ہرمین کو مغربی جرمنی کے ایجنٹوں اور امریکن انٹیلی جنس ایجنسیوں نے مل کر ٹھکانے لگایا تھا۔ بعدازں جو دوسرے حقائق بھی ذہن پر ہتھوڑوں کی طرح پڑتے رہے، وہ یہ تھے کہ جب روس نے چیکوسلواکیا پر حملہ کیا تو بہت سارے اعلیٰ سطحی

انٹیلی جنس آفیسرز مغربی ممالک میں چلے آئے۔ ان میں سے میجر لیڈ سلیو ہٹمین کا دعویٰ تھا کہ ایڈمرل ہرمین کی معیت میں سلسلہ وار موت کے منہ میں چھلانگیں لگاتے چلے جانے والے عہدیداران مغربی جرمنی میں روسی ایجنٹس تھے۔

بعد ازاں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس حسینہ کیساتھ ایڈمرل ہرمین کا تصویری سکینڈل سامنے آیا تھا، اس کا نوسال سے پیرس کے کسی نائٹ کلب سے تعلق تھا۔ پیرس کی وہ حسینہ اس خوبرو ایڈمرل کے ساتھ راتوں رات اس حد تک فری ہو گئی تھی کہ وہی تعلق خاص تصویری مراحل تک بھی چلا گیا۔ بعد ازاں بدقسمتی نے یوں منہ کھولا کہ وہی تصویریں کسی نہ کسی طرح KGB اور پھر روسی ایجنٹوں کے ہاتھ لگیں اور پھر اس ایڈ مرل ہرمین کے ساتھ "ہاتھ" ہونے لگے۔

KGB نے پہلے تو ہرمین پر معمولی معمولی معلومات کے حصول کیلئے اپنا ہاتھ ذرا ہولا رکھا لیکن بعد ازاں جب اس کی ضروریات بڑھیں تو ہرمین کے گرد ان کا گھیرا تنگ ہوتا چلا گیا۔ 1967ء میں جب نیٹو کے ہیڈ کوارٹر کیساتھ بحیثیت ریسرچ انچارج ایڈمرل ہرمین بھی مغربی، جرمنی، بون چلا آیا تو روسیوں نے مغربی جرمنی میں تیارہ شدہ جدید ترین الیکٹرانک آلات سازی کی تیکنیک کاری کے حصول کیلئے اس کا پیچھا شروع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سارے سازشی اور جاسوسی ماحول نے ہرمین کو ذہنی اور اعصابی طور پر شل کیا ہوا تھا۔ اسی لئے وہ ریٹائرمنٹ لے کر اس سازشی اور جاسوسی ماحول سے چھٹکارہ چاہتا تھا۔ ریٹائرمنٹ کیلئے جب اس کی درخواست منظور ہو گئی تو وہ بڑا خوش تھا کہ اب اس بے غیرتی کی زندگی سے بھی نجات مل گئی، لیکن وہ روسی بھی اپنے باپ کے ہرگز نہ تھے، انہوں نے اس سے اسی کا کیمرہ مانگ کر لیا اور بمعہ اس کی کار اور کاغذات تک کی تصاویر اُتار لیں۔ بعد میں وہ کیمرہ تو انہوں نے واپس کر ہی دیا لیکن ہرمین ان کے آخری حربے میں آ گیا۔

سوچنے والی بات تو یہ ہے کہ آخر کار وہ روسی ٹولہ اب کیوں اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا جبکہ اب تو وہ بیچارہ ہر دھندے کی دھند سے دامن بچا کر جا رہا تھا۔ چونکہ روسیوں کی رسہ کشیاں بھی تو اس کے دماغ میں محفوظ تھیں اور وہ دماغ اب ان کیلئے بیکار تھا لیکن انہیں خدشہ اور خطرہ تھا کہ کہیں وہی

بیکار دماغ بیکار نہ چل جائے۔ لہٰذا اس صاحب دماغ سے چھٹکارہ ہی کیوں نہ پا لیا جائے۔ وہ دنیا پر یہ واضح کر دینا چاہتے تھے کہ یہ رہی نیٹو نام نہاد سیکیورٹی، جس کے سینے تک با آسانی خنجر اتارا جا سکتا ہے اور ایک دوسرا مقصد کہ ان نام نہاد نیٹو ممبران ممالک کے درمیان ایسی غلط فہمیاں پیدا کر دی جائیں جن کی فصلیں یہ تا قیامت کاٹتے رہیں۔ تیسرا مقصد، CIA اور NBD، جرمن سیکرٹ سروسز اور امریکن انٹیلی جنس کی قابلیتوں کا بھانڈا پھوڑنا تھا کہ ان کے مضبوط تر کرداروں میں کیا کیا کمزوریاں ہیں اور وہ کس کس بھاؤ تولے جا سکتے ہیں۔

19

جاسوس وزیر اعظم

یہ ایک ایسے وزیر اعظم کی پر اسرار داستان حیات ہے جس نے ایک دن واقعی سمندر میں ایسی چھلانگ لگائی کہ پھر کبھی باہر آ کر خشکی پر پاؤں نہ دھر سکا۔ وہ کسی سمندری مخلوق کے حلق میں ہضم ہو گیا یا کہیں گوشۂ گمنامی میں مدغم ہو گیا۔ ہزاروں قیاس آرائیوں میں سے کوئی بھی آج تک مطمئن نہیں کر پائی۔

وہ اپنے ملک آسٹریلیا سے چین کیلئے جاسوس سرگرمیوں کا ملزم تھا۔ 1983 میں انتھونی گرے نے جب ''جاسوس وزیر اعظم'' نامی ایک کتاب لکھی تو وزیر اعظم ہولٹ کو مجرم ثابت کرنے کی کوشش سے شوروغل تو اٹھا لیکن جلد ہی یہ ختم بھی ہو گیا۔ کتاب کے مطابق چین کی جاسوسانہ نمک حلالی کے ثبوت مل جانے پر جب اس ہولٹ کے گرد گرفتاری کا گھیرا تنگ ہونے لگا تو فی الفور کسی نہ کسی طرح چین نے اسے اپنے دامن دفاع میں سمیٹ لیا۔

اس وزیر اعظم کے خلاف اس کتاب میں شائع شدہ مواد کا ذمہ دار پبلشر گرے سے زیادہ ٹلکومب نامی ایک نیوی آفیسر تھا۔

آسٹریلیا میں وکٹوریہ ساحل سمندر تمام تر لوازمات کے لحاظ سے سیاحوں کی جنت ہی ہے اور اس کہانی کا نقطہ آغاز بھی وہیں سے ہوا۔

ایک دن وہاں کی سیاہ سفید مخلوق اپنی اپنی سیاہی سفیدی میں مگن من مانیاں منا رہی تھی کہ اچانک ماحول منتشر ہونا شروع ہو گیا، تمام تر مرد و زن کچھ فاصلے پر وقوعے کی طرف دوڑ پڑے

جہاں آسٹریلوی پولیس سمندر کے پیٹ میں گھس رہی تھی، آٹھ عدد لانچیں سمندر کا سینہ چیرے جا رہی تھیں اور اوپر کے خطرات سے کنٹرول کیلئے دو عدد ہیلی کاپٹر بھی پہنچ چکے تھے۔

اُن سیاحوں کی تو وہاں بھیڑ لگ گئی اور حکومتی اہلکاروں کے چہروں پر اڑتی ہوئی ہوائیاں دیکھ کر سب کے سب ششدر رہتے مگر سمجھ کسی کو بھی کچھ نہ آرہا تھا کہ ہوا کیا ہے اور ہو کیا رہا ہے؟ بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہی ہر دلعزیز اور ماہر تیراک آسٹریلوی وزیراعظم ہیرولڈ ہولٹ شیوت کے ساحل پر ایسا غوطہ زن ہوا کہ کنارے کھڑی منتظر انتظامیہ کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگ گئے مگر موصوف وزیراعظم کا ہاتھ پاؤں تک ہلتا یا تیرتا نظر نہ آیا۔

اگرچہ اس کی تلاش اور بازیابی کیلئے حکومتی انتظامی مشینری تو فی الفور ہی متحرک ہو گئی لیکن ہر حرکت بے برکت ثابت ہو کر رہی۔ ذرا سوچیے تو کہ جس حادثے سے دنیا دہل گئی ہو اس کا آج تک پتہ نہیں چل سکا؟

ہیرولڈ ہولٹ کا جنم 1908 میں سڈنی کے ایک مالدار اور کاروباری خاندان میں ہوا۔ اس نے میلبورن تک کالجز اور یونیورسٹی میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ شروع دن سے اس کے ذہن میں کمیونزم سما گئی تھی اور دورانِ تعلیم وہ چینی سربراہان سے فلسفۂ کمیونزم پر خط و کتابت بھی کیا کرتا تھا۔
اس وقت چیانگ کائی شیک کی زیرِ قیادت چین میں کمیونزم بطور ایک مضبوط جماعت کے طور پر موجودہ حکومتی قیادت سے چھٹکارہ پانے کے درپے تھی۔ اس جماعت کو ہولٹ جیسے پرجوش تائید کنندگان کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے ہولٹ کو اسکے مضامین کے عوض پچاس ڈالر فی ہفتہ ادائیگی بھی شروع کر دی اور ہولٹ بھی جی جان کر بحیثیت چینی ایجنٹ اپنے کام میں جت گیا۔
اس وقت اس کے ان تحریری مضامین کا کوئی توڑ نہ تھا۔ یہ بھی کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ ایک دن بطور وزیراعظم بھی اس کا کوئی جوڑ نہ ہوگا۔

سیاست کے بہاؤ میں بہتے بہتے 1935ء تک ہولٹ UAP کے ٹکٹ پر ممبر پارلیمنٹ منتخب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی چین نے بھی اس کی مالیاتی آشیرباد میں اضافہ کر دیا بلکہ اپنے اس ہونہار اور جوان قانون پاس ورکر کو اگلے ہی سال (1936ء) میں بیجنگ کا دورہ بھی کرایا۔ اسی

WWW.PAKISTANIPOINT.COM

دورے کے دوران ہی اسے جاسوسی کی تربیت دی گئی۔ مستقبل بعید کی بلیک میلنگ کیلئے اس کی تصویریں بھی اتروائی گئیں اور انہی مقاصد کی تکمیل کیلئے اسے وہاں سے سیدھا لندن کیمونسٹ آفس میں بھیجا گیا۔ 1938ء میں روبرٹ مینزی آسٹریلین وزیر اعظم بنا تو ہولٹ بھی اپنی عوامی پذیرائی پر اس کابینہ کا آٹھواں بااختیار عہدیدار کہلایا، وہاں سے وہ اپنے حکومتی راز لندن آفس بھیجتا جو آگے دیگر چینی ایجنٹ وصول کر لیتے تھے۔

1952ء میں ماؤزے تنگ کی تیغ وتفنگ کی حامل تگ ودو نے ابھی سکھ کا سانس لیا ہی تھا کہ امریکہ نے چین سے کوئی گٹھ جوڑ کرنا چاہا اور ساتھ ہی بصورت دیگر صرف 36 گھنٹوں کے اندر اندر صدیوں پیچھے پتھر کے زمانے میں پہنچا دینے کی دھمکی بھی دے دی۔ چین میں سے ہی دستیاب چیان کائی شیک نامی امریکی امداد باز فوراً تاشیوان پہنچا، پھر بذریعہ ہولٹ لندن پہنچایا گیا ، جہاں سے جونہی چند چینی راز اس کے ہاتھ لگے تو چین کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ پھر وہ ایک طرف سے تو امریکہ سے گپ شپ کیلئے تیار ہو گیا اور دوسری طرف اپنے آپ کو طاقتور ترین بنانے کی ٹھان لی تاکہ پھر کبھی امریکہ کے آگے بھیگی بلی نہ بننا پڑے۔

1952-55ء کے دورانیے میں ہولٹ چین سے تیس ہزار آسٹریلین ڈالرز وصول کر رہا تھا لیکن پھر بھی شاکی تھا کہ کام کٹھن اور معاوضہ کم تھا، لہٰذا اس نے معاوضے کی بڑھوتری کی بجائے وہ دھندہ ہی ٹھپ کر دیا اور چین کے خلاف کبھی زبان بھی نہ ہلائی۔ اگرچہ چین کے پاس اسے بے چین رکھنے کے بہانے تو تھے مگر چیئرمین ماؤ نے اسے دوبارہ بطور چینی ایجنٹ اپنی آشیر بادگی میں آمادہ کر لیا۔ 1966ء تک وقت کی وقعت کے ناپ تول میں بڑا فرق پیدا ہو چکا تھا، یعنی اسی ہولٹ نے ایک ہردلعزیز آسٹریلوی وزیر اعظم کہلاتے ہوئے اس دھندے کو ایک بار پھر سے دھتکار دیا۔

ممکن ہے کہ اس کے ضمیر نے لعنت ملامت کی ہو، اکتاہٹ ہو گئی ہو، حزب اختلاف کی زبان ہلنے لگ گئی ہو یا پھر آسٹریلین سکیورٹی انٹیلی جنس ایجنسی سے خطرات کی بو محسوس ہونے لگ گئی ہو۔

اسی سال اس نے انگلینڈ اور امریکہ کا دورہ بھی کیا اور وہ سان فرانسسکو پہنچ کر پورے دو دن غائب رہا۔ اگرچہ وہ دو دن اس نے اپنے ذاتی اور ضروری کاموں کے کھاتے میں ڈال دیئے تھے

ہگر گرے نے اپنی کتاب میں لکھا کہ وہ وہاں وہ دو دن اعلیٰ چینی سفارتی قیادت کے ہاں مقیم رہا اور ان سے ہدایات لیتا رہا کہ اگر ASIO اسکی گرفتاری کیلئے حرکت میں آجاتی ہے تو پھر کیا کرنا ہوگا اور اس کی جائے پناہ کہاں ہوگی؟

اعلیٰ چینی سفارتی قیادت نے اسے مشورہ دیا کہ اول تو وہ اپنے خلاف خطرات کی تصدیق کرے اور اگر واقعی اس کی گرفتاری روبہ عمل ہونیوالی ہوئی تو وہ بس بھاگ کر شیوت کے ساحل پر پہنچ پڑے، وہاں زیر آب ایک چینی آبدوز اسے لے جائے گی۔

1967ء کے اوائل میں ہی ہولٹ واپس آسٹریلیا پہنچا اور تمام تر چینی رابطے منقطع کرتے ہوئے اور اپنے تمام کام نپٹاتے ہوئے اس ٹوہ میں لگ گیا کہ ASIO اس کے خلاف کب اور کون سا قدم اٹھانے والی ہے۔

مئی 1967ء میں اسی ہولٹ نے اچانک کینبرا میں ASIO کے ہیڈ کوارٹر کا دورہ کیا اور بعض خفیہ انٹیلی جنس فائلیں طلب کیں اور اپنے خلاف خطرات دیکھ کر فوراً چینی انٹیلی جنس سے رابطے کیے اور فی الفور اپنا ہی ملک آسٹریلیا چھوڑ جانے کیلئے جگہ، وقت اور دن کا تعین تک طے کرلیا۔

اُس دن، اس وقوعے اور اس وقت کے سمندر سے کسی کے ہاتھ کسی حقیقت کا کوئی سرا تک نہ آیا، بس قیاس آرائیاں ہی تھیں کہ، وہ بہت اچھا تیراک تھا۔ اس کے پاس چار گھنٹوں تک کیلئے آکسیجن بھی تھی اور وہ چینی حفاظتی حصار والی آبدوز تک پہنچنے میں بھی کامیاب ہوگیا ہوگا یا پھر چین نے ہی اسے سمندری مخلوق کی خوراک بنا دیا؟ حقیقت سامنے نہ آسکی۔

ہیرولڈ ہولٹ کی موت پر سرکاری سطح پر سوگ کا اعلان کیا گیا اور بزبان اٹارنی جنرل اس پر ہر الزام کی بھی سختی سے تردید کی گئی۔ ASIO نے بھی بند فائلوں کی طرح اپنا منہ بند رکھا، البتہ اس کی بیوی ڈیم زارا "جاسوس وزیر اعظم" نامی کتاب کے ناشر انتھونی گرے پر برسے بغیر نہ رہ سکی۔ تاہم جو کچھ دنیا کے سامنے آسکتا تھا وہ "جاسوس وزیر اعظم" کا پبلشر سامنے لے آیا۔

20

ایلیکو ہن

دنیائے جاسوسی میں ہر جاسوس کو اپنے کئے کے عوض بڑے کڑوے زہر نوش کرنے پڑے ہیں۔ جن نامی گرامی جاسوسوں نے اس دھندے کے عوض بڑے دھن بنائے اور عیش کیا انہیں بھی بعد از ضرورت مکھن سے بال کی مانند نکال دیا گیا، جبکہ اہم ترین جاسوسوں کو حکومتوں نے قیدیوں کے ادلے بدلے میں ادھر اُدھر کر لیا۔ البتہ عربوں اور اسرائیلیوں کے مابین لگائی بجھائی کرنے، کرانے والوں کا انجام ماسوائے موت اور کچھ نہیں ہوا۔ ایلیکو ہن بھی ایک ایسا ہی کردار تھا جو حکومت شام کے خلاف پیغام رسانی کرتے ہوئے قابو کیا گیا۔ اگرچہ اسے شام کے صدر کے تعلق داروں میں گردانا جاتا تھا مگر ثبوت سامنے آنے کے بعد کوئی تعلق اسے نہ بچا سکا۔

شام کے صدر حافظ الامین نے اپنے ذہنی فشار اور دماغی دباؤ کو صرف تین ہفتوں تک برداشت کیا اور پھر بالآخر ایلیکو ہن الیاس کامل امین تابس کو پھانسی کا حقدار قرار دے دیا، حالانکہ وہ حافظ الامین کا دوست تھا اور جس کے متعلق سوچا بھی نہ جا سکتا تھا کہ وہ شام کے خلاف اسرائیلی جاسوس ثابت ہوگا۔

مئی 1965ء میں دمشق کے چوک شہدا میں ہزاروں کے ہجوم کی کوریج کرنیوالے کیمروں کے سامنے اس کامل جاسوس کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ عوام الناس کیلئے اس کے تابوت میں اُس کے کرتوتوں کی فائل بھی رکھ دی گئی۔

ایلیکوہن نامی اس جاسوس نے شام کے اپنے دوست صدر حافظ الامین کی دوستی کے پردے کے پیچھے بہت کچھ چرایا اور بہت سے راز اسرائیل پہنچائے۔ شام کی انٹیلی جنس بھی اس کے راستے میں کبھی حائل نہ ہوئی کیونکہ وہ صدر حافظ الامین کا دوست جو تھا۔

ایلیکوہن دراصل ایک مصری یہودی تھا۔ اسکندریہ میں اسکی پیدائش، پرورش اور تعلیم و تربیت ہوئی۔ عربی بول چال میں بھی خوب تھا اور وہیں مصر میں کسی یہودی تنظیم کے ساتھ کچھ عرصہ یہودیت کا درد جگانے کے بعد اپنے مستقبل کے خواب وخیال اور ارادے لے کر اسرائیلی موساد کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

موساد نے جانچ پڑتال کے بعد شامی زبان اور لب و لہجے میں اس طرح اس کی تربیت کی کہ وہ دمشق کی گفتگو سے گھبرا نہ جائے۔ پہلے اسے بیونس آئیرس (ارجینٹینا) بھیجا گیا تا کہ وہ وہاں سے بطور پناہ گزین براستہ لاطینی امریکہ شام میں داخلہ کے حقوق حاصل کرے۔ مگر ارجنٹائین میں اپنے قیام کے دوران ہی وہ شام کے سفارتی ملٹری معاون میجر حافظ الامین سے ہاتھ ملانے اور ہیلو ہائے کہنے کہلانے میں کامیاب ہو گیا۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق شام میں قدم جماتے ہی اس نے کامل امین تابس کے نام سے نوادراتی سامان آسائش کا کاروبار شروع کر لیا۔ اس دوران میجر حافظ الامین بھی شام لوٹ آیا اور پھر قسمت نے بھی ایسا پلٹا کھایا کہ وہی میجر حافظ الامین شام کا صدر بن گیا جس سے سابقہ ہیلو ہائے نے اس کامل امین تابس کو تابندہ کر دیا۔

شام کے صدر سے دوستی کے باعث پورے دمشق میں نہ صرف اس کی عزت اور توقیر بڑھی بلکہ اہم ترین حکومتی راز و نیاز تک بھی اس کی رسائی ہوتی چلی گئی اور پھر وہ راز داریاں اس کی فرنیچر برآمدگی میں ہی چھپ چھپا کر اسرائیل پہنچتی رہیں۔ ان رازداریوں میں سب سے اہم گولان کی پہاڑیوں سے متعلقہ شام کے فوجی منصوبہ سازی کے نقشہ جات بھی تھے جن کی وجہ سے وہ چھ روز جنگ وجدل اسرائیل کیلئے ایک اکسیر حیات ثابت ہوئی۔

کوہن نے وہاں پہلی بار روسی مگ 21 لڑاکا طیاروں کی تصویریں لیں اور روس سے ہی

درآمدہ دوسو T-54 ٹینکوں کی تصدیق کرتے ہوئے روسی جنگی ماہرین کی جنگی حکمت عملیوں سمیت سب کچھ اسرائیلی ڈاک میں ڈال دیا جس سے اسرائیل قبل از وقت ہی چوکس ہو گیا کہ روس اس پر اچانک حملہ کروا کر اور اس کا شمالی حصہ کٹوا کر اسے اس کی اہم ترین فوجی چوکیوں سے محروم کرنا چاہتا ہے بلکہ ساتھ ساتھ اردن اور شام سے پانی کے مسئلہ پر بھی الجھانا اور پھنسانا چاہتا ہے۔

کوہن کامل الیاس تابس شامی صدر کے اس قدر قریب تھا کہ سیاسی ماہرین بھی اس کیلئے نہ صرف اٹھ کھڑے ہوتے تھے بلکہ 1950-60 کی دہائی میں اسے وزیر اطلاعات بنانے پر بھی غور ہوا تھا۔ پھر اُسے نائب وزیر دفاع بنانے کی افواہ بھی گردش میں آئی۔ اس سے اندازہ لگا لیں کہ صدر حافظ الامین اس پر کس قدر تکیہ کئے ہوئے تھے۔

کوہن کامل الیاس تابس کے زوال کا سبب شامی انٹیلی جنس ہرگز نہ تھی اور نہ ہی ہو سکتی تھی بلکہ بھارتی ایمبیسی کی ذاتی ریڈیائی پیغام رسانی میں کی جانے والی ریڈیائی مداخلت تھی۔ بھارتی سفارت خانے نے اس کی شکایت شام کی حکومت سے کی، لیکن شام کی حکومت تو ایسے حساس آلات سے خالی ہاتھ تھی جو اس ریڈیائی شکایت کا ازالہ کر پاتے، البتہ روس کی مدد سے اس ریڈیائی شکایت گاہ کا پتہ چل گیا اور وہ بھارتی سفارت خانے کے قریب ہی واقع کامل امین الیاس تابس کوہن کی رہائش گاہ تھی۔

چونکہ وہ صدر صاحب کے دوست کی اقامت گاہ تھی، لہٰذا بڑی ہی احتیاط سے شامی انٹیلی جنس کے لوگوں کو داخل کیا گیا اور کوہن کو رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ اس کے بعد شامی انٹیلی جنس نے ہی اسے مجبور کیا کہ وہ اپنے اسی ریڈیائی سیٹ اپ سے اسرائیلی وزیر اعظم اور اسرائیلی انٹیلی جنس کے چیف کو ان کا پیغام پہنچائے کہ وہ (کوہن) شامی حکومت کی تحویل میں ہے اور وہ بہت جلد اس کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے۔

صدر حافظ الامین تو اپنے اس دوست کے جاسوس ثابت ہونے کی خبر سن کر ہی حیران رہ گئے۔ بعد ازاں انہوں نے اپنی میز پر پڑے اس کی موت کے پروانے پر دستخط کرنے میں بھی خاصی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ تاہم ان پر دباؤ بہت تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے مخالفین اس

مقدمہ جاسوسی کو اپنے مطلب کی ہوا دے رہے تھے۔ جبکہ بیرونی دنیا سے رحم کی اپیلیں آ رہی تھیں۔ بالآخر صدر حافظ الامین نے اپنے اس جاسوس دوست کوہن کامل کی موت کے پروانے پر دستخط کر کے اپنا داخلی خارجی بیلینس برقرار رکھتے ہوئے اس کی برسر عام پھانسی کو یقینی بنا کر مخالفین کے منہ بند کر دیئے۔

21

صندوق

یہ جاسوس کہانی ایک ایسے بے کردار، بے ہمت اور بزدل شخص سے متعلق ہے جو نہ تو اس قابل تھا اور نہ ہی کوئی جاسوس وغیرہ بننا چاہتا تھا مگر پیسہ اس کی سب سے بڑی کمزوری اور علامت تھی۔ لہٰذا اس کے سنیئرز نے اسے سبق سکھانے کیلئے ایک صندوق میں تالا بند کر کے قاہرہ جانیوالی ایک مصری پرواز کے مویشی خانے میں جمع کرادیا، لیکن اس کی بدقسمتی بھی اسکے ساتھ ساتھ محو پرواز تھی، چنانچہ روم ایئرپورٹ پر ہی سارا بھانڈا پھوٹ گیا۔

قائرہ جانے والی اس مصری پرواز میں روم انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر جانچ پڑتال کے دوران کسٹم آفیسر ربن کو مویشی خانے سے کچھ "غیر مویشی" قسم کی آواز سنائی دی مگر وہ اسے کچھ صحیح طور سے سمجھ نہ سکا۔ چند ہی لمحے بعد اسے وہی آواز کچھ انسانی سی لگی اور پھر اُس آواز میں موجود ان الفاظوں نے اپنی تصدیق آپ کرلی۔

"پلیز ہیلپ می" ورنہ میں مرجاؤں گا۔"

ربن نے فوراً سیکیورٹی طلب کی۔ اس نے صندوق کو کھلوایا تو اندر سے ایک قریب المرگ شخص برآمد ہوا۔ اس کے بلڈ پریشر میں اس حد تک بگاڑ پیدا ہو چکا تھا کہ اگر تھوڑی دیر مزید اسے اسی صندوق میں رہنے دیا جاتا تو وہ یقیناً مر جاتا۔

اس شخص کا نام مورڈیشائی لاؤک تھا۔ وہ مراکوئن یہودی پناہ گزین کی حیثیت سے اسرائیل

پہنچا تھا، پھر فوج میں چلا گیا اور پھر اس فوجی نوکری سے بھی راہ فرار اختیار کرتے ہوئے مصر جا پہنچا۔ مصر کی کسی جیل کا کوئی کونہ پر ہونے کیلئے شائد اسی کا منتظر تھا اور وہاں اس کی بدقسمتی ایک نئے روپ میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ یعنی کئی ایک زبانوں پر عبور اور ذہنی مہارت اسے افسران بالا کی نظروں میں لے گئی۔

اسے جاسوسی کیلئے موزوں سمجھتے ہوئے کچھ مزید تربیت دے کر سیکرٹ سروسز میں رکھ لیا گیا اور اس مورڈیشائی لاؤک کو بھی وہ راستہ کافی دلفریب لگا۔

مورڈیشائی لاؤک کو بحیثیت مہذب اسرائیلی، موساد سے متعلقہ اسرائیلی ایجنٹوں تک پہنچانے کیلئے 150 ڈالر ماہانہ کے عوض یورپ بھیج دیا گیا۔

فرانس، جرمنی اور سوئٹزر لینڈ کی راہیں اور پروازیں اس کیلئے ہمیشہ کھلی اور تیار رہتی تھیں مگر وہ اپنی رہائش کا انتظام کسی نہ کسی نواحی اور دیہی آبادی میں کیا کرتا تھا، ساتھ ساتھ تنخواہ کم اور کٹھن کام کا رونا بھی مسلسل روتا رہتا تھا۔ جب یہی رونا دھونا روم میں متعین مصری سفارتی آفیسر سلیم عثمان السید کے سامنے دوہرایا گیا تو وہ اس کی صورت، سیرت اور کارکردگی سے اس قدر نالاں ہوا کہ بس اس سے چھٹکارہ ہی پا لینے میں عافیت سمجھی۔

سزا کے طور پر اسے اس صندوق میں ڈال کر سفارتی میل بندی (تالا بندی) کے بعد روم سے قاہرہ جانیوالی مصری فلائٹ کے مویشی خانے میں جمع کرا دیا گیا۔ صندوق سے برآمدگی کے بعد حکومت اٹلی نے اس غیر انسانی سلوک پر نہ صرف سخت برہمی کا اظہار کیا بلکہ سلیم عثمان السید اور دو دیگر مصری سفارتکاروں کو اٹلی سے نکال دیا۔

لاؤک کے مطابق مراکوئن پاسپورٹ پر حکومت مصر نے اس کا نام جوزف داہان درج کر رکھا تھا جبکہ اس کے پاس ایک عدد مصری پاسپورٹ بھی تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر وہ جاسوسی قبول نہ کرتا تو تاعمر جیل میں ہی مر جاتا۔

لاؤک کی خواہش پر اسے 1964ء میں واپس اسرائیل بھیج دیا گیا، جہاں پہنچ کر اس نے اٹلی کی پولیس کا یہ کہہ کر شکریہ ادا کیا کہ اس نے اس کی جان بچائی۔

لاؤک کی بدقسمتی یہاں ختم نہیں ہوئی۔ اسے فوج کی تحویل میں دے دیا گیا اور اسے چودہ سال کی سزا سنائی گئی۔ جیل سے رہائی کے بعد لاؤک کو عقل آ گئی اور باقی کی زندگی اس نے آرام سے گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے کارپینٹر کا پیشہ اختیار کر لیا لیکن ماضی کے ریکارڈ نے ساری عمر اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔

22

کرسٹوفر واسل سکینڈل

یہ ایک ایسے کردار کی کہانی ہے جو معاشرتی رسوائیوں کی پرواہ کئے بغیر جاسوسی کے جال میں پھنستا چلا گیا اور آخر کار اپنی جنسی کمزوریوں کی کہانیوں کے عوض اپنے ہی ملک سے غداری کا مرتکب ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔

ویم جان کرسٹوفر واسل معمولی کلرک کی حیثیت سے ماسکو کے برطانوی سفارتخانے میں تعینات تھا۔ لیکن اس کے انداز و اطوار کچھ خاص قسم کے تھے۔ اسکی نشست و برخواست اور طرز تکلم بھی نرالا ہی تھا۔ اس کے قریب سے کوئی خوبصورت عورت بھی گزر جاتی تو اسے کچھ محسوس نہ ہوتا اور اگر کوئی وجیہہ مرد گزرتا تو وہ اس کو دیکھتا ہی رہ جاتا۔ یوں سمجھ لیں کہ ایک مردانہ جسم میں ایک عورت قید کی ہوئی تھی۔

آخر کار 29 سالہ زنانہ مزاج برطانوی کلرک ویم جان کرسٹوفر واسل ایک سکینڈل میں دھر لیا گیا تو اخبارات نے "برطانوی بے حیائی سکینڈل" کی سرخیاں لگائیں۔ برطانوی سفارت خانے کے مرد سٹاف نے تو اس پر لعنت ملامت بھی کی لیکن خواتین سٹاف نے اس طرف کوئی خاص دھیان ہی نہ دیا۔ ادھر اس واسل کو بھی ان کی ہرگز کوئی پرواہ نہ تھی۔ یہاں تک کہ سٹاف کے مرد و زن کبھی باہم میل ملاپ بھی کرتے نظر آجاتے تو بھی واسل کو کوئی خاص فرق نہ پڑتا۔

اس یقین کے باوجود کہ غیر ملکی سٹاف نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ برطانوی سفارت خانے نے معمولی کاموں کیلئے مقامی روسیوں کو بھی ملازم رکھا ہوا تھا۔ وہ بھی یقیناً سیکرٹ سروسز ایجنٹ ہی

تھے اور اندر کھاتے انہیں بھی کوئی نہ کوئی اپنے مطلب کا کردار درکار تھا۔ اگرچہ یہ کام مشکل اور محتاط مراحل کا مرہون منت تھا مگر جب واسل جیسا واہیات کردار ان کے ہاتھ لگ گیا تو ان کی سب مشکلیں خود بخود دور ہوتی چلی گئیں۔

اس ایمبیسی میں متعین معتبر قسم کے روسی ملازم نے ایک دن واسل کو کافی کی دعوت دی اور ایک ریسٹورنٹ میں لے گیا جہاں پروگرام کے مطابق پہلے سے ہی دو سمارٹ سے جوان ایک خوبصورت سی عورت کے ہمراہ ان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ واسل کو ان کے پاس بٹھا کر اس کا ساتھی تھوڑی دیر کے لئے الگ ہو گیا اور واسل کے پاس بیٹھی ہوئی عورت نے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی مگر واسل ٹس سے مس نہ ہوا۔ لیکن جب ان دو سمارٹ جوانوں نے اس سے جسمانی چھیڑ چھاڑ شروع کی تو وہ بھی ان کی طرف مائل ہونا شروع ہو گیا۔

ان روسی جوان ایجنٹوں کی محنت رنگ لائی اور ایک سال کے اندر اندر ہی وہ باہم شیر و شکر ہو گئے، لیکن اس تمام چال چلن کا سہرا سگمنڈ میخائیل سکی کے سر جاتا ہے جو واسل کو اپنے ساتھ سینماؤں اور تھیٹروں میں لے جاتا رہا۔ جیسا کہ پہلے بھی تذکرہ ہو چکا ہے کہ واسل سے سارا ایمبیسی سٹاف نہ صرف نفرت کرتا تھا بلکہ اُس کی کمزوریوں پر طعنہ زنیاں بھی خوب کرتا تھا، مگر اس سارے واویلے کے باوجود سگمنڈ سے اس کی دوستی اور بھی پکی ہو گئی۔ سگمنڈ اس کا یہاں تک خیال رکھتا تھا کہ اس کی تسکین کیلئے ماسکو بھر سے جوان لڑکے ڈھونڈ کر لایا کرتا تھا۔

1955ء کا موسم سرما بھی ماسکو میں پوری شدت سے آیا اور ایمبیسی میں کام نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔ برلن ہوٹل میں ہونے والی ایک پارٹی میں واڈکا کی بوتلیں کارتوسوں کی طرح کھل رہی تھیں، شراب نالیوں کی طرح بہائی جا رہی تھیں اور اس بہاؤ میں واسل بھی شامل تھا۔ برانڈی پی پی کر جب اس کے خون نے تیزی اور گرمی پکڑی تو اسے پکڑ کر ایک کمرے میں لے جایا گیا اور اس کے تمام تر کپڑے اتروا کر بدفعلی کی حالت میں کئی تصویریں اتار لی گئیں۔

قریباً دو ماہ بعد واسل نے اسی طرح حالت غیر میں ایک رات ایک ملٹری آفیسر کے ساتھ گذاری اور اسی دوران چھاپہ پڑ گیا۔ وہ ملٹری آفیسر تو فوالفور کپڑے وغیرہ پہن کر کھڑکی میں سے

باہر کود گیا جبکہ واسل دروازہ توڑ کر اندر آنیوالی KGB کے قابو آ گیا۔ وہاں اُسے اس کی ننگی تصویریں دکھائی گئیں اور پھر کچھ وقت کیلئے حراست میں بھی لے لیا گیا۔

KGB یہ جاننا چاہتی تھی کہ بدفعلی پر مبنی وہ تصویریں لندن اور ماسکو سے متعلقہ ہیں جہاں ہم جنسیت ایک جرم تھا۔ واسل مسلسل بدحواس ہوا جارہا تھا لیکن اسے یہ اعتماد دے کر حواس میں لایا کہ اگر وہ تعاون کرے گا تو اس کے اس راز کو راز میں رکھا جائے گا۔

یہاں سے اس کی جاسوسی کا آغاز ہوا اور L50 ماہانہ پر اس نے روس کیلئے برطانوی راز افشا کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جولائی 1956ء میں اسے نظامت بحریہ میں تعینات کر دیا گیا۔ زنانہ سی شخصیت کی وجہ سے کوئی اسے مشکوک بھی نہ سمجھتا تھا۔ لہٰذا اہم ترین دستاویزات تک اس کی رسائی ہونے لگی۔ چونکہ وہ ایک ماہر فوٹو گرافر تھا سو اس کیلئے ان فائلوں کی فوٹو کاپیاں تیار کر لینا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا۔

واسل کی شامیں کلبوں میں گذرنے لگیں، بینک بیلینس بڑھتے بڑھتے L3000 سالانہ تک پہنچ گیا جو کہ اس وقت ایک بھاری رقم تھی اور پھر کسی کو کسی قسم کا شک شبہ بھی نہ تھا کہ وہ شریف سا شخص اپنی زندگی سے اس قدر لطف اندوز کیوں اور کیسے ہو رہا ہے؟

جب یہ سلسلہ بڑھا اور اہم دستاویزات گم ہونے لگیں تو اس پر مشکوک نظریں پڑنے لگیں۔ اس دوران ان گمشدہ دستاویزات کے روسیوں کے ہاں ہونے کے ثبوت بھی ملنے لگے تو نظامت بحریہ میں کام کرنیوالا ہر شخص مشکوکیت کی زد میں آ گیا۔

ہر ایک کی حرکات وسکنات کی سکریننگ کی جانے لگی۔ نتیجے میں جو نمایاں چہرہ سامنے آیا وہ واسل کا ہی تھا۔ وہ چھ سال سے اس دھندے کے مزے لیتا چلا آرہا تھا اور بالآخر 1962ء میں گرفتار بھی کر لیا گیا۔ گرفتاری کے بعد اس کی رہائش گاہ سے اور بھی بہت سارا گم شدہ مواد ہاتھ لگا جس میں زیادہ تر نیوی سے ہی متعلقہ دستاویزات تھیں۔

''جینز فائیٹنگ شپس'' کے ایڈیٹر کیپٹن جان مورس کے مطابق ''ماسکو اور لیننگراڈ'' نامی ہیلی کاپٹرز کی کارکردگی میں مزید اور حیران کن بہتری واسل سے حاصل کردہ دستاویزاتی معلومات کی

ہی مرہون منت تھی۔

ایک خصوصی عدالت میں واسل کے معاملات کی تحقیقات ہوئیں۔روس میں کام کرنے والی برطانوی سفارتخانے کی سیکیورٹی کو انتہائی ناقص قرار دیتے ہوئے آئندہ سٹاف کی تعیناتی میں خوب چھان پھٹک کر کرنے کی ہدایت کی گئی اور اس ساری سردردی کے محرک ولیم جان کرسٹوفر واسل کو 18 سال کیلئے جیل بھیج دیا گیا۔

23

پر فیومو کیلر

اس جاسوس سکینڈل کہانی کی طرز اور بناوٹ پر جاسوسی فلموں کی کہانیوں کے خالق آیان فلیمنگ کو بھی ایک فخر وافتخار تھا کیونکہ اس کہانی میں جاسوسی اور سراغرساں کہانیوں کے تمام تر لوازمات موجود تھے۔ یعنی ایک تو کردار معاشرتی لحاظ سے بڑے اونچے طبقے سے تھے اور پھر ڈرامہ، رومانس اور سکیس وغیرہ کا بھی جواب نہ تھا، حتیٰ کہ کہانی کا انجام بھی سب دیکھنے، دکھانے اور لکھنے لکھانے والوں کی توقعات کے برعکس تھا۔ کہانی کا جائے وقوعہ تو لارڈ آسٹر کا سوئمنگ پول ہی تھا مگر نہ جانے کیوں اس سے برطانوی حکومت کی بنیادیں تک ہل گئیں اور وزیر اعظم کی تقلید کرتے ہوئے وزیر دفاع نے بھی مستعفی ہونے میں ہی عافیت جانی۔ مگر اس دوران پورے ملک پر حیرانگی کے بادل چھا گئے کہ معاشرے کے نام نہاد ٹھیکیداروں کے اتنے گھٹیا کرتوت بھی ہو سکتے ہیں۔

اس کہانی کے کرداروں میں سے پہلا اور مرکزی کردار کرسٹینا کیلر نامی لڑکی کا تھا جسے انتہائی اونچے طبقے کی کال گرل تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے حسین چہرے میں اتنی کشش اور قوت تھی کہ دیدہ وروں سے لدے ہوئے بیسیوں بحری بیڑوں کو غرق کر سکتی تھی۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی مجروح ہونا لازم امر تھا۔ بقول برطانوی انٹیلی جنس آفیسر:

"خدا ایسے مکھڑے بناتا ہے کم"

یہ کال گرل ایک کیبرے ڈانسر کے طور پر سامنے آئی۔

دوسرا اہم کردار یوجین آیوانووو نامی ایک حُسن پرست نیول کمانڈر، سوویت سیکیورٹی آفیسر اور سوویت ایمبیسی لندن میں متعین اسسٹنٹ نیول کا تھا۔ کیلر کو اس نیول آفیسر سے ڈاکٹر وارڈ نے متعارف کروایا تھا تاکہ وہ حسن کی حدت سے انگلینڈ کیلیئے اس سے زیادہ سے زیادہ راز و نیاز حاصل کر سکے۔ اس میل ملاپ کے مرکزی کردار ماہر ہڈی جوڑ سرجن ڈاکٹر سٹیفن وارڈ کا ایک دوسرا شغل اپنی اونچے طبقے سے متعلقہ مریض اشرافیہ کو اونچے درجے کی کال گرلز مہیا کرنا تھا۔

اسی بہانے اس کا برطانوی انٹیلی جینس میں بھی خاصا اثر و رسوخ تھا بلکہ وہ اپنے آپ کو برطانوی انٹیلی جنسی کا ایک اہم ترین کل پرزہ سمجھتا تھا اور وزیر دفاع مسٹر جان پرفیومو کا بھی دوست ہی تھا۔ جان پرفیومو اس کیلر نامی حسینہ کے حسن کی حدت میں جل بھن کر کباب ہو چکا تھا، یہاں تک کہ اس نے اپنا سیاسی، سماجی اور پیشہ ورانہ کردار بھی کچھ اس انداز سے داؤ پر لگا دیا کہ وزیر اعظم ہیرولڈ میکمیلان کو اپنی ایسی عیاش اور اوباش کابینہ کی پاداش میں مستعفی ہونا پڑا۔

اصل کہانی کا ابتدائی سین لارڈ آسٹر نامی ایک اونچے رئیس کی وسیع و عریض رہائش گاہ کے سرسبز لان میں سے گزرتے ہوئے ایک مہمان کی سوئمنگ پول آمد سے شروع ہوا جہاں چند ایک دلکش حسینائیں ہنسی مذاق، ناچ کود اور نہانے میں مصروف عمل تھیں۔ وہ معزز مہمان ابھی اس سوئمنگ پول سے چند قدم پیچھے ہی تھا کہ ان حسیناؤں کے جھرمٹ میں سے ایک حسینہ کے حسن کی حدت نے اسے انہی قدموں پر پگھلا کر رکھ دیا۔ وہ معزز اور بارعب مہمان وزیر دفاع پروفیومو اور وہ حسینہ کرسٹینا کیلر تھی۔ تب وہ اپنے گلستان شباب کی اٹھارویں بہار میں تھی، جس پر وزیرِ دفاع کچھ اس انداز سے فدا ہوا کہ بذریعہ ڈاکٹر وارڈ سے اسے ہر قیمت پر اپنانے کی ٹھان لی۔ ....

جوں جوں وہ اس حسن کے صحرا میں بھٹکتا گیا، نہ صرف سیاسی، سماجی، داخلی اور خارجی عزت دارانہ حقائق سے بیگانہ اور معیار سے گرتا چلا گیا بلکہ کنزرویٹو پارٹی کے پلے بھی کچھ نہ چھوڑا۔ وہ وزیر دفاع ہو کر بھی اپنا دفاع نہ کر سکا، حتیٰ کہ اس حسینہ کی ہمراہی اسے ان سوئمنگ پولز سے بھی آگے سازش اور جاسوسی کی دلدل میں لے گئی۔

چند سال پیشتر اس ڈاکٹر وارڈ نے اس رئیس آسٹر کی کمر درد کا ایسا کامیاب علاج کیا تھا کہ اس نے خوش ہو کر اسے اپنی جاگیر میں ہی کہیں قریب ہی مفت رہائش گاہ فراہم کر دی تھی اور وہ حسینہ کیلر نہ جانے کس نسبت سے اس کے پاس رہا کرتی تھی۔ اس کے اس حسن کے نکھار کو انتہائی اونچے معیار پر لانے کیلئے ڈاکٹر وارڈ اسے اونچے اونچے سرکاری وغیر سرکاری دوستوں سے ملواتے ملواتے اس روسی نیول اسسٹنٹ آیوانو و تک لے گیا۔

اس تجرباتی سفر میں کرسٹینا کیلر کے نہ صرف حسن کی حدت ہزار پوائنٹ اوپر اٹھی بلکہ دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنے کے بہانے اور مواقع بھی خود بخود پیدا ہوتے چلے گئے۔ وہ روسی نیول اسسٹنٹ کیلر ڈاکٹر وارڈ کے انٹیلی جنس روابط کے ذریعے مغربی جرمنی کی برطانوی اسلحہ بردار امداد سے آگاہی چاہتا تھا اور ڈاکٹر وارڈ کیلر کے ذریعے برطانوی انٹیلی جنس کیلئے اس روسی نیول اسسٹنٹ سے روسی رازوں کی مخبری چاہتا تھا۔

بہر حال اور بہر طور وہ وزیر دفاع پرفیومو اس حسینہ کیلر پر اس حد تک مرمٹا کہ بچت کی صورت صرف اور صرف اس سے میل ملاپ تھا جو کہ اس ڈاکٹر وارڈ کیلئے پارٹ ٹائم بزنس اور بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس کھیل ہی کھیل میں وارڈ نے اسے آیوانو و کی بانہوں سے نکال کر پرفیومو کی بانہوں میں لا ڈالا اور دونوں عاشقوں کو ایک دوسرے کے عشق سے بے خبر بھی خوب رکھا، اور جب M-I-5 کو وارڈ اور نیول اسسٹنٹ کی ہیلو ہائے سے آگاہی ہوئی تو ڈاکٹر وارڈ کی پھر سے پیٹھ تھپکائی گئی کہ وہ بذریعہ کال گرلز زیادہ سے زیادہ روسی رازوں تک رسائی حاصل کرے۔

ڈاکٹر وارڈ کا بھی وہ پارٹ ٹائم بزنس بھی خوب چمکا اور کئی ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے اس نے اونچی گردنوں کو ان کی ننگی تصویروں کی جھلک دکھلا کر جھکانا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی وارڈ کو روس کا دورہ کرنے کی سوجھی۔ اس نے اسی روسی نیول اسسٹنٹ کا سہارا چاہا، مگر بدلے میں اُس نیول آیوانو و نے بھی اُس سے ان اہم لوگوں کی تصویری البم مانگ لی جنہیں وہ بلیک میل کیا کرتا تھا۔ آیوانو و کو معلوم تھا کہ وارڈ کے ذریعے حسینہ کیلر وزیر دفاع پرفیومو کی خواب گاہ تک پہنچ چکی تھی۔ اُس نے وارڈ کو پوری یقین دہانی کرائی کہ اگر وہ بذریعہ کیلر پرفیومو سے مغربی جرمنی کو دیئے جانے

والے امریکی نیوکلیئر ہتھیاروں کی تفصیل حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کے پاسپورٹ پر روسی ویزا لگ جائے گا۔

ڈاکٹر وارڈ نے اس روسی نیول اسسٹنٹ کا جرمنی کو امریکی نیوکلیائی ہتھیاروں کی سپلائی کا تفصیل طلب مطالبہ ڈائریکٹر جنرل M-I-5 سر راجر ہولس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے آگے کیبنیٹ سیکرٹری سر نارمن بروک کو آگاہ کر دیا اور اس نے آگے وزیر دفاع کو خبردار کر دیا۔ اس سارے سلسلے میں حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ سر راجر ہولس سب سے زیادہ سرگرم دکھائی دیا اور اس کی ساری بھاگ دوڑ میں یہ راز پنہاں تھا کہ وہ خود بھی روسی ایجنٹ ہی تھا۔

پروفیومو بھی یہ جان کر ششدر رہ گیا کہ M1-5 نے کیلر اور اس کے ناجائز تعلقات کو مدنظر رکھا ہوا تھا اور نظر بد سے گھبرا کر جب پروفیومو نے کیلر کو تعلقات ختم کرنے کا خط لکھا تو وہ ثبوت کے طور پر اس سیاسی اور سماجی تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔

افواہوں کی یورش بھی عروج پکڑ رہی تھی کہ اس دوران لیبر پارٹی سے متعلقہ اور سیکیورٹی معاملات کے ماہر جارج وگ کو نومبر 1962ء میں ایک گمنام سی ٹیلیفون کال موصول ہوئی کہ ذرا وزیر دفاع صاحب کی حرکات وسکنات ملاحظہ فرمائیں۔ جب چاروں جانب سے وزیر دفاع گھیر لئے گئے تو ہاؤس آف کامن (اسمبلی ہال) میں انہوں نے روایتی اور جھوٹے دلائل اپناتے ہوئے اپنا نا کام دفاع کرنا شروع کر دیا۔

اپوزیشن لیڈر ہارولڈ وسن اور سیکیورٹی ایڈوائزر جارج وگ نے سیاسی فوائد کے حصول کیلئے پروفیومو کے غیر اخلاقی وغیر انسانی معاملات کی چھان بین پر زور دیتے ہوئے لارڈ ڈیننگ کو جج مقرر کروالیا اور بعد از تحقیقات عدالت نے اپوزیشن کی امیدوں کے عین برخلاف وزیر دفاع پر سیکیورٹی کے نقطۂ نظر سے ہاتھ کافی ہلکا رکھا، لیکن پروفیومو کی بدقسمتی عین اس کے قدموں پر قدم رکھ چکی تھی۔

ایک دن ایسا بھی آگیا جب پروفیومو کا کرسٹینا کیلر کو لکھا ہوا خط ایک اخبار میں شائع ہو گیا اور پھر ایک دوسرے اخبار کو کرسٹینا نے اپنے اور پروفیومو کے میل ملاپ کی داستان بیچ ڈالی۔

اسی سال جون میں پروفیومو کی بدقسمتی کا پردہ ایک اور انداز سے کھلا۔ یہ کیس پھر سے ہاؤس آف کامن میں آیا اور انہوں نے اپنے پہلے سے بولے گئے جھوٹ کو سچ کہا۔ پھر وقت نے بھی ایک ایسی کروٹ لی کہ ہارولڈ میکمیلان نے وہ ساری کی ساری سچی جھوٹی کابینہ ہی گھر بھیج دی اور عوامی امنگوں کے مطابق نئے سرے سے انتخابات کروانے کے احکامات جاری کر دیئے۔

اگرچہ لیبر پارٹی نے برتری تو معمولی سی اکثریت سے پائی لیکن اس سیاسی اور سماجی شکست کا ذمہ دار پروفیومو جیسے اوباش وزیر دفاع کو ہی ٹھہرایا گیا جسنے غلیظ عورتوں سے میل ملاپ کی بوچھار سو پھیلا رکھی تھی۔ نیول اسسٹنٹ آیو انوو کو جب اس کے کردار سے آگاہی ہوئی تو اس نے جنوری 1963ء میں واپس روس جانے والی پرواز پکڑ لی۔ پروفیومو نے بھی سیاست سے توبہ کر لی اور اپنے گناہوں کی تلافی کیلئے ایک سوشل ورکر بن گیا اور دن رات ایک کر کے سوشل سروسز کے CBE ایوارڈ کا حقدار ٹھہرا۔

24

مچل اور مارٹن

سیاسی نظریات اور حصول دولت کے علاوہ بھی بہت سی دوسری وجوہات کی بنا پر بہت سے امریکی روس کا ایجنٹ بننے کیلئے اپنے ملک سے غداری کے مرتکب رہے ہیں، لیکن جب کسی امریکی شہری نے روس میں رہائش اختیار کرنا چاہی تو اُسے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ یہ کہانی امریکن نیشنل سیکیورٹی ایجنسی کے دو عہدیداران کی الیکٹرونکس آلات کاری میں جاسوسی پر مبنی ہے۔ ان عہدیداروں کو اس جاسوسی کے آخر میں NSA کے مواصلاتی شعبے میں سے جو کچھ ہاتھ لگا، وہ لے کر روس پہنچ گئے اور ان کی اس جاسوسی سے امریکی انٹیلی جنس کی ساکھ اس قدر متاثر ہوئی کہ صدر امریکہ ٹرومین نے انہیں گولی سے اڑا دینے کے احکامات جاری کر دیئے۔

مئی 1960ء میں میکسیکو میں متعین CIA کے عہدیداران نے NSA کے شعبۂ مواصلاتی الیکٹرونکس کے دو ملازمین کے روس بھاگ جانے کی اطلاع دی۔ ان دونوں کے نام 'M' سے شروع ہوتے تھے لہٰذا تحقیقات بھی فی الفور شروع ہو گئیں۔

اس سے پہلے کہ CIA انہیں قابو کر لیتی ۔ مہرنان ایف مچل اور ولیم ایچ مارٹن غائب ہو گئے۔ مچل غیر معروف حروف اور الفاظوں کو بامعنی بنانے میں ماہر تھا۔ مارٹن اس کا دوست تھا اور نیوی سے عارضی طور پر NSA میں لایا گیا تھا۔

NSA کی کمان اور کنٹرول میں پوری دنیا کا جاسوسی اور مواصلاتی الیکٹرونکس نظام ہے جو

ان دو ماہرین کے یوں فرار ہو جانے سے ہل کر رہ گیا بلکہ۔ اس سے NATO ممالک بھی متاثر ہوئے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ وہ 1959ء میں براستہ میکسیکو کیوبا، ہوانا بھی گئے تھے اور وہاں پر موجود روسی عہدیداروں سے میل ملاپ اور گٹھ جوڑ کر کے واپس NSA آ گئے۔

1960ء میں ہوانا سے ہی انہیں بذریعہ بحری جہاز روس پہنچایا گیا تھا۔ CIA کو ان کے گھروں میں سے جو خطوط وغیرہ برآمد ہوئے وہ بڑے عجیب سے تھے۔

جب یہ سب کچھ اخبارات میں آیا تو حکومت نے اس مواد کی ویلیو کم کرنے کیلئے پینٹاگون سے کہلوایا کہ مارٹن اور مچل معمولی ملازمین تھے لہٰذا ان کے قول و فعل پر نہیں جانا چاہئے لیکن کانگریس میں موجود ڈیموکریٹک لیڈر جان میک کورمیک نے آواز اٹھائی کہ یہ فرار کا کوئی معمولی کیس نہیں ہے اور یہ صرف امریکہ کیلئے ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کی سیکیورٹی سروسز میں تاریخی طور پر لیا جائے گا۔ میک کورمیک بھی ٹھیک ہی پیٹتا تھا کیونکہ انہوں نے پورے ملک پر پرواز کی صلاحیت کے حامل U-2 کی تفصیلی معلومات روس کی جھولی میں ڈال دی تھیں جن کو استعمال میں لاتے ہوئے روس نے مئی 1960ء میں ایک U-2 جاسوس طیارہ تباہ کر دیا تھا۔

اگرچہ اس کی پرواز تو روسی سرحد کے قریب ہی تھی لیکن وہ 68,000 ہزار فٹ کی بلندی پر محفوظ فضا میں تھا۔ اس کی پرواز کا نقطہ آغاز پاکستان میں پشاور کے قریب تھا اور روس بھی آنکھ جھپکے بغیر عین اس کے انتظار میں تھا۔ اس جاسوسی فضائی حادثے کی جیت سے روسی سربراہ نکیتا خروشوف نے خوب شہرت پائی جبکہ امریکہ کے ہاں اسکی اس ہار کا کوئی معقول جواب نہ تھا، حتیٰ کہ اس واقعہ سے پیرس میں دونوں ممالک کی متوقع ملاقات بھی منسوخ ہو گئی۔

روس نے اپنا ایک اور روپ یہ دکھایا کہ دنیا بھر سے ذرائع ابلاغ کو ماسکو بلا کر مچل اور مارٹن کے دو چہرے بھی سامنے کر دیئے۔ ان دونوں نے امریکی NSA اور برٹش GCHQ کے چہرے بے نقاب کر دیئے کہ ان دونوں ممالک کی یہ تنظیمیں دنیا کے کم و بیش چالیس ممالک کے مواصلاتی نظام میں مداخلت کرتی ہیں۔ ان کے زبان و الفاظ کے ماہرین نہ صرف متعلقہ ممالک کی مواصلاتی اطلاعات سے آگاہی پا لیتے ہیں بلکہ ان کے خفیہ فوجی ٹھکانوں کو مدنظر رکھ لیتے ہیں

اور پھر بذریعہ وائیرلیس اور ایجنٹس ان کی ایجنسیاں ان سے اپنی مطلب کا کھیل کھیلتی رہتی ہیں۔

مچل اور مارٹن کی دوستی کی ابتداء جاپان سے ہوئی تھی، جہاں مچل NSA اور مارٹن امریکن کمیونیکیشن انٹیلی جنس ACI کی طرف سے تعینات تھے۔ 1958ء میں انہیں اکٹھے کام کرنے کا اس وقت موقع ملا جب مارٹن کو عارضی طور پر NSA میں لایا گیا تھا اور دونوں ہم خیال ہونے کے ساتھ ساتھ ہم جنس پرست بھی تھے۔ اگرچہ راڈار سسٹم تو تھا مگر پھر بھی روس پر سے امریکی پروازیں بچ کر نکل جاتیں تھیں۔ اس طرح امریکہ اپنا کام چلاتا رہا، مگر روس بھی ان کی ٹوہ میں لگا رہا اور آخر کار اس نے امریکی طیارہ ہرکولیس EC-130 آرمینیا کے قریب مار گرایا۔

اس طیارے میں موجود ماہرین میں سے چھ کی موت کی تصدیق ہوگئی جبکہ گیارہ لاپتہ قرار دیئے گئے۔ لیکن اپنے طیارے کے مار گرائے جانے سے پہلے ہونیوالی روسی مگ پائلٹوں کی گفتگو ٹیپ ہو کر NSA تک پہنچ گئی تھی۔ دراصل وہ حادثہ ہی مچل اور مارٹن کی حواس باختگی کا سبب بنا تھا اور انہیں وہم سا ہو گیا تھا کہ ایسی حماقتیں کسی عالمی جنگ کو بھی ہوا دے سکتی ہیں۔

وہ دونوں ڈیموکریٹک لیڈر میک کرومیک کے پاس بھی اپنے یہ خدشات و خطرات لے کر گئے لیکن اس نے ان پر کوئی خاص توجہ نہ دی اور پھر یہ میک کرومیک ہی تھا جس کی زبان ان کے فرار پر آرام کا نام ہی نہ لیتی تھی۔

روسی پریس کے مطابق مچل اور مارٹن کی بڑی قدر کی گئی لیکن جلد ہی وہ دونوں ہی روسی طرز حیات سے اکتا گئے اور مچل نے واپس امریکہ جانا چاہا مگر وہاں اس کی شہریت ہی ختم کر دی گی تھی۔ جبکہ مارٹن نے روسی زبان سیکھ لی اور اپنا نام سوکولووسکی بدل کر ایک روسی خاتون سے شادی رچالی۔

25

بیئر/گورین سکینڈل

مغربی جرمنی کے ولی برانڈتھ کے دفتری دروازوں کی اوٹ میں مُخبر رساں گلیوم تھا تو بن گورین کے اسرائیلی آفس کی اوٹ میں بیئر نامی ایک روسی چھچھوندر بھی تھا۔ بن گورین نے جب اپنے اس جگری یار اور مشیرِ دفاع کو حصول دولت کیلئے غداری کی دلدل میں دھنسا ہوا پایا تو اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور پھر ماسوائے دوست کی سزا کے اسے کوئی دوسرا راستہ دکھائی نہ دیا۔

اسرائیل کے پہلے وزیر اعظم بننے کا شرف بن گورین کو حاصل ہوا تھا اور اس کے سایہ شرف میں اس کے ایک خاص دوست بیئر کو مشیر دفاع بننے کا موقع ملا تھا۔ لیکن ایک رات جب اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسی کے سربراہ نے بن گورین کو اس کے دوست کے روسی ایجنٹ ہونے کا بتایا تو بن گورین دنگ رہ گیا۔ تحقیق کے بعد بن گورین کو مزید آگاہی یہ ہوئی کہ بیئر وہ وزیر اعظم کی دفتری ڈائری لئے ایک روسی ایجنٹ کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں گپ شپ لگا رہا تھا۔

بن گورین نے بھی اسی حیرت و استعجاب میں بیئر کے خلاف قانونی کاروائی کرنے کا کہہ دیا۔ اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسی کے سپیشل عہدیداران تل ابیب میں بیئر کے شاہانہ انداز و اطوار پر حیران رہا کرتے تھے۔ جب شروع 1960ء میں اُس کی گرفتاری عمل میں آئی تو اُس لے بریف کیس میں سے وزیر اعظم کی ڈائری کے علاوہ بھی کافی حساس دستاویزات ہاتھ لگیں جن کی

نقول اس نے روسی ایجنٹ کو دیتی تھیں۔ وہ دستاویزات اسرائیلی فوجی چھاونیوں، ملکی و غیر ملکی اسلحہ درآمدگی و برآمدگی اور نیوکلیئر ریسرچ پر مشتمل تھیں اور بیئر کے ہتھے کئی سالوں سے چڑھی ہوئی تھیں۔

اس پر بددیانتی اور غداری کے مقدمات چلائے گئے لیکن وہ ان مقدمات کا سامنا کرتے ہوئے نہ گھبرایا اور نہ ہی جھوٹ کا سہارا لیا، بلکہ اپنے دفاع میں دلائل دیتے ہوئے اس نے کہا کہ وہ اسرائیل کو مغربی طاقتوں کے ہاتھوں سے بچانا چاہتا تھا اور سوویت یونین کے ساتھ چلنے میں عافیت محسوس نہیں کرتا بلکہ اس طرح وہ ان کے راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔ تاہم اسرائیل انٹیلی جنس کا خیال تھا کہ بیئر روس نوازی میں مکمل غرق ہو چکا ہے اور اس کے بچنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس اعزازی آرمی کرنل اور مشیر دفاع کے عہدے بھی تھے۔

وزیر اعظم بن گورین کے دوست ہونے کی حیثیت سے اُسے اس اسرائیل کے حصول آزادی کی تاریخ رقم کرنے کیلئے فرمائش کی جا رہی تھی لیکن اس نے اس اسرائیل کی سلامتی اور اس دوست کی دوستی کو تہہ کرتے ہوئے بیوفائی اور غداری کی تاریخ رقم کر ڈالی۔

اس سانحے پر اپوزیشن کو بھی وزیر اعظم بن گورین کے خلاف خوب الزامات اور تہمتیں لگانے کے مواقع میسر آ گئے۔ 1961ء تک اس مقدمے نے سفر طے کیا اور بیئر کو دس سال کی سزا قید ہوئی جو اپیل کے مرحلے میں پہنچ کر پانچ سال اور بھی لمبی ہو گئی۔ بعد ازاں موساد نے کھوج لگایا کہ 1938ء اسرائیل میں بیئر نامی ایک آسٹرین لاپتہ ہوا تھا اور عین اسی سال اسی نام کا اضافہ اسرائیلی شہریت میں ہوا تھا۔ مزید تحقیق میں یہ بھی پتہ چلا کہ عین اسی سال اسرائیل میں بھی واقعی اسی نام کا ایک شخص قتل ہو کر اپنا خانہ خالی کر گیا تھا اور اس خانے میں یہ والا بیئر پُر ہو گیا تھا، لیکن یہ محض ایک اتفاق تھا اور اس کی چھان بین سے کوئی قابل قدر مواد ہاتھ نہ آیا۔ البتہ بیئر کی رہائش گاہ سے دولت کے انبار ضرور ملے۔ اس کے علاوہ بیئر کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی اس کی سوانح عمری بھی ملی۔ 1968 تک بیئر نے حکومت کی دی ہوئی آدمی قید کاٹی تھی کہ اس کی اپنی عمر کی قید پوری کٹ گئی اور وہ اس دنیا سے چلا گیا۔

26

پورٹ لینڈ

یہ ایک دلچسپ سی کہانی برطانیہ کے مقام برٹ لینڈ میں بحریہ کی زیر آب بندرگاہ استحکام اسلحہ سازی سے متعلقہ ہے۔ روس نے برطانیہ کی آبدوز سازی میں جدت سے آگاہی کیلئے ہیری ہاٹن پر جال ڈالا۔ KGB نے گورڈن لونز ڈیل جیسے فرضی ناموں سے بھی اپنے ایجنٹس پیدا کر رکھے تھے اور پھر ان کی معاونت کیلئے پیٹر اور ہیلن کروجر نام کے جوڑے کو کینیڈین شہری بنا کر لندن لایا گیا۔

اس کہانی کا مرکزی کردار رائل نیوی میں 23 سال سروس کرنے والا ریٹائرڈ پیٹی آفیسر ہیری فریڈرک ہاٹن تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی وہ فارغ نہیں بیٹھا بلکہ نیول ریسرچ سنٹر میں کلرک بھرتی ہو گیا اور پھر ترقی کرتے ہوئے وارسا ایمبیسی میں برٹش نیول معاون کا رائیٹر بن گیا۔ کسی غیر ملکی ملازمت میں اسے توقع سے زیادہ تنخواہ اور الاؤنسز ملنے لگے اور ساتھ ہی شراب بھی مفت میں ملنے لگی تو اس کی سوئی ہوئی خواہشات بھی جاگ گئیں، جن میں پیسہ جمع کرنے کی خواہش اولین تھی۔

پولینڈ کی بلیک مارکیٹنگ کے راستوں کا بھی اسے پتہ چل گیا اور انہی راستوں کی بھول بھلیوں میں کیرٹزیا نام کی ایک خوبصورت سی لڑکی بھی اسکے ہاتھ لگ گئی جسے اس کی ناجائز بیوی بننے پر بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔

سُہانے خواب بڑے مختصر ہوتے ہیں یا شاید اس کی غیر ضروری سرگرمیاں افسران بالا پر گراں گزری ہوں، چنانچہ اسے واپس برطانیہ بھیج دیا گیا جہاں وہ مزید خوش قسمت کہلایا کیونکہ

1952ء میں ہی اسے پورٹ لینڈ بندرگاہ پر بحریہ کی آبدوز اسلحہ سازی میں ملازمت مل گئی۔ اسی ڈیپارٹمنٹ میں ایتھل بنٹی جی نامی لڑکی سے اس کی پینے پلانے اور ہواخوری کے بہانے دوستی ہوئی جو بالآخر شادی میں بھی بدل گئی۔

پولینڈ سے واپس آنے کے چار سال بعد اسے پولینڈ سے ہی اس کی سابقہ دوست کیرٹزیا کے ایک دوست کا فون موصول ہوا کہ اس کے ساتھ سابقہ تعلقات کی وجہ سے اسے برطانوی جاسوسہ سمجھا جا رہا ہے۔ ہاٹن نے اسے کافی یقین دہانی کرائی کہ ان کے مابین جذباتی تعلقات ضرور تھے مگر انہوں نے جاسوسی وغیرہ کے بارے میں تو کبھی سوچا تک نہ تھا لیکن وہ شخص بھی بضد رہا اور آخر کار اس نے ہاٹن کو مشروط کر لیا کہ اگر وہ روس کیلئے جاسوسانہ ہاتھ پاؤں ہلائے گا تو کیرٹزیا کی زندگی بچ سکے گی۔

آخر کار وہی ہوا جو ہونا تھا، ہیری جاسوسی کے جال میں پھنس گیا اور روسی سازشی سفارتکاروں کے روبرو جا بیٹھا۔ برطانیہ اور NATO آب دوز سازی میں روس سے دو قدم آگے تھے، لہٰذا ہیری سے وہ جدید ترین رپورٹس مانگی گئیں۔ ساتھ ہی اس کی بیوی ایتھل بنٹی جی کو خود ساختہ کہانیوں میں قابو کر کے چالو کر لیا گیا لیکن اُس سے لونزڈیل کا تعارف بطور امریکن ایمبیسی کمانڈر ایلس جانسن کرایا گیا۔

ہیری نے مسٹر اور مسز کروجر کے ساتھ مل کر سوویت انٹیلی جنس کیلئے برٹش نیول انٹیلی جنس کے قیمتی رازوں کے عوض اپنی قیمت وصول کرنی شروع کر دی، تاہم بہت جلد ہی وہ قیمتی کاروں میں بیٹھ کر اونچے کلبوں میں جانے سے سپیشل برانچ کے علاوہ M1-5 کی نظروں میں بھی آ گیا۔ 1961ء میں پولینڈ کے مائیکل گولینوسکی نامی انٹیلی جنس آفیسر نے CIA کو مطلع کر دیا کہ وارسا کے برطانوی سفارت خانے میں کام کرنیوالا اور حرف "H" سے نام پانیوالا کردار بحریہ میں جاسوسی کر رہا ہے۔

سپیشل برانچ اور M1-5 نے تحقیقات شروع کر دیں اور ایک رات پرانے وک تھیٹر کے قریب ہاٹن اور اسکی بیوی ایتھل بنٹی کو ایک بازاری ٹوکری لونزڈیل کے حوالے کرتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ جب اس ٹوکری کو کھولا گیا تو بحریہ سے متعلقہ فائلوں کے علاوہ ایک بند ڈبے سے

فلمیں ملیں، جنہیں جب فوٹو گرافس کی شکل دی گئی تو ان میں بحری جہازوں اور آبدوزوں کے جدید پرزہ جات کے علاوہ ایٹمی آبدوزوں کی معلومات بھی موجود تھیں۔

اس دھندے اور بھاگ دوڑ کی پاداش میں ہاٹن اور ایتھل کو پندرہ، پندرہ سال قید کی سزا ہوئی مگر دس سال بعد رہائی پا کر دونوں نے شادی کر لی۔ پھر ہاٹن ہی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی اس کی سوانح عمری پر مبنی کتاب ''آپریشن پورٹ لینڈ'' سامنے آئی۔

پیٹر اور ہیلن کروجر 1955ء میں لندن آئے تھے۔ انہوں نے نایاب بکس کا بزنس ظاہر کیا مگر رہائش ایک کشادہ بنگلے میں رکھی تھی۔ M1-5 کی دو ماہ کی محنت کے بعد نتیجہ یہی ہاتھ آیا کہ دونوں ہی KGB سپیشلسٹ تھے اور ہاٹن+لونز ڈیل کے ساتھ جاسوسی میں پوری طرح ملوث تھا۔ گرفتاری کے بعد جب ان کی رہائش گاہوں کی تلاشی لی گئیں تو مائیکروسکوپ اور مائیکرو ڈاٹس پر مبنی جدید ترین آلات کے علاوہ ہائی پاور ریڈیو ٹرانسمیٹر برآمد ہوئے۔ FBI کے مطابق دراصل یہ جوڑا امریکن تھا جن کے اصل نام موریس اور لونا کوہن تھے۔ انہوں نے نیویارک تب فرار اختیار کیا جب جولئیس اور ایتھل روزنبرگ روس کو ایٹمی راز دیتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔

کروجر کو بائیس سال کی سزا ہوئی مگر تباہ کن تحریروں کے تقسیم کنندہ جیرالڈ بروک نامی برٹش لیکچرر کے بدلے میں 1969 میں روس کے حوالے کر دیا گیا۔ بعد ازاں یہ بھی معلوم ہوا کہ 1955ء میں کینیڈین بزنس مین بن کر لندن پہنچ کر ریجنٹ پارک میں رہائش رکھنے والا بظاہر مالدار آدمی لونز ڈیل بھی KGB کا ایجنٹ تھا۔ اس کا اصل نام کونون ٹرافی مووچ تھا۔ وہ خالص روسی تھا اور ریڈ آرمی کا تربیت یافتہ تھا۔ KGB میں شمولیت پاتے ہی ہاٹن کے ساتھ جو اس کی پہلی ملاقات ہوئی وہ بھی M1-5 کے نوٹس میں تھی۔ اسے بھی ہاٹن اور ایتھل بنٹی کیساتھ ہی قابو کر لیا گیا تھا اور مڈلینڈ بینک میں رکھا ہوا اس کا ایک صندوقچہ بھی سپیشل برانچ کی تحویل میں آ گیا جس میں کیمرہ، فلمیں اور قیمتی دستاویزات موجود تھیں۔ برطانوی عدالت نے اسے پچیس سال کی سزا سنائی مگر جلد ہی اسے بھی ایک برطانوی قیدی گریویلیوین کے بدل میں روس کے حوالے کر دیا گیا۔

27

مینچوریا ہدف

جاسوسی کے سدباب کے سلسلے میں چینی انٹیلی ایجنسی کا لائحہ عمل ہمیشہ سے ہی نہ ہونے کے برابر رہا ہے۔ اُن کی کبھی کوئی نمایاں کارکردگی سامنے نہیں آئی۔ البتہ دو وقوعے ایسے ہیں جو ان کی قابلیت اور لائحہ عمل کا ثبوت ہیں اور ان میں سے ایک "مینچوریا ہدف" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس ناکام آپریشن کے باوجود یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس خطرناک ترین کھیل کیلئے بھی چین میدان میں آ گیا ہے۔

جان ٹی ڈاؤنی CIA کا ایک معروف تربیت یافتہ کردار تھا اور وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ وہ بھی کبھی اپنے کسی مشن کی تکمیل میں انتہائی مشکل میں پھنس جائے گا اور اس کی قسمت میں اگلے بیس سال کی قید بھی لکھی ہوئی ہوگی۔ مینچوریا ہدف پر از خود پہنچنا اس کیلئے انتہائی احمقانہ اقدام تھا۔ اس کیلئے عین مناسب اور موزوں ترین کام تائیوانی ایجنٹوں کو تربیت دیکر کوریائی جنگ میں چین میں داخل کروانا تھا۔

29 نومبر 1952ء کو نو تائیوانی تربیت یافتہ افراد کے ساتھ اس نے جنوبی کوریا سیول سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور مینچوریا ان کی پہنچ اور منزل تھی۔ وہاں ان نو ایجنٹوں کو ان کی مقرر کردہ جگہوں پر چھوڑ کر چین کے مختلف مقامات سے کچھ ایجنٹوں کو لینا بھی مقصود تھا۔ اس سلسلہ سفر و صعوبت میں رچرڈ فیکٹو بھی اس کے ہمراہ تھا۔

مقصد میں ناکامی کے امکانات کافی تھے۔ غالب امکان یہی تھا کہ ممکن ہے چینیوں کو ان کی

آمد کی مخبری ہو چکی ہو اور بالآخر وہی امکان سچ ثابت ہوا اور وہ سب کے سب دھر لئے گئے۔ پہلے نمبر پر ان نوتائیوانیوں کو مقدمہ کے بعد تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا اور پھر کوئی دو سال بعد ڈاؤنی اور فیکٹو کی باری بھی آ گئی۔ 1954ء تک کے دو سال انہیں الگ الگ قید خانوں میں رکھ کر انٹیلی جنس ایجنسیاں اپنے تفتیشی مراحل پورے کرتی رہیں۔ پھر ڈاؤنی کو تو انہوں نے قید کی سزا دے کر اپنے پاس پکا رکھ لیا، جبکہ فیکٹو کو بشرط زندگی بیس برس تک کیلئے قید خانہ دے دیا۔

امریکہ اور CIA کیلئے یہ واقعہ انتہائی ذلت آمیز تھا اور شاید اسی وجہ سے امریکہ اور چین تعلقات ڈانوں ڈول ہی رہے۔ امریکہ نے اپنے ان دو قیدیوں کے بیانات کو ہی بنیاد بنا کر کہا تھا کہ وہ کسی قسم کے ایجنٹ نہیں تھے بلکہ آرمی ڈیپارٹمنٹ سے واسطہ عام ملازمین تھے اور ایک سمندری سفر میں گم ہو گئے تھے۔

چین نے ان ایجنٹوں کی گرفتاریوں اور سزاؤں کے بعد اس وقوعے کو "میچور یا ہدف" کا نام دے کر دنیا بھر کے پریس کے منہ میں دے دیا تا کہ امریکہ کی زیادہ سے زیادہ تذلیل ہو اور چین میں مروجہ کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کی موجودگی بھی معلوم ہو۔

چین کو یہ بھی احتمال تھا کہ شاید انہیں اقوام متحدہ کی ماننی پڑے لیکن امریکہ اس پلیٹ فارم پر بھی اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکا۔ 1973ء تک فیکٹو کے یقیناً بیس برس پورے ہو رہے تھے لیکن جیسے وہ ایک ساتھ ہو کر آئے تھے، ویسے ہی ایک ساتھ واپس جانا اچھا لگا۔ چنانچہ ڈاؤنی کو بھی مزید سلاخوں کے پیچھے نہ رکھا گیا بلکہ ایک ہی جہاز میں واپس بھیج دیا گیا جہاں ان کی پروردہ آماجگاہ CIA میں ان کے لئے وہی کرسیاں، میزیں، دفاتر اور عہدے پھر سے حاضر تھے۔

28

ایٹمی راز

ایگور گوزنکو نامی مخبر سے جب یہ معلوم ہوا کہ روس نے اپنے ماضی کے اتحادیوں امریکہ، برطانیہ اور کینیڈا کے ایٹمی راز چوری کا بڑا مضبوط پروگرام بنایا ہوا ہے تو حیرت سے ان اتحادیوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہی وہ نقطۂ انحراف و اختلاف تھا جس کی بنا پر کیمیونسٹ اور مغربی بلاک کی دراڑیں آج تک پر نہیں ہو سکی ہیں۔

ایگور گوزنکو کینیڈا میں اوٹاوہ کے مقام پر ایک روسی سفارتی ملٹری معاون کے ساتھ کلرک کے طور پر وابستہ تھا۔ وہ گذشتہ دو سال سے اپنی بیوی سویٹلانا اور لڑکے اینڈری کے ساتھ اس آزاد معاشرتی ماحول میں بڑے مزے میں رہ رہا تھا۔ اس کی بیوی تو واپسی کا نام نہ لیتی تھی مگر وہ اس جاسوسی اور سازشی ماحول میں متذبذب سا ہو کر رہ گیا۔ ایسے حالات و حادثات ڈوبنے تیرنے اور جینے مرنے جیسے ہوتے ہیں لیکن آخر کار اس نے بھی مخبر بننے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ اپنے اس دھندے کے آغاز میں اس نے اپنے تمام تر ضروری کاغذات سمیٹے، ایجنٹوں کے نام پتے وغیرہ اکٹھے کیے اور وہاں پہنچ گیا جہاں اسے نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس نے اپنے ملٹری معاون کرنل نکولائی زیبوٹن کے ذاتی کاغذات بھی نہ چھوڑے جو کہ خالصتاً اُن اطلاعات اور معلومات کے حامل تھے جن کی بنا پر روس مغربی اتحادیوں کی ایٹمی ہتھیار سازیوں سے واقف ہو رہا تھا۔

ایگور گوزنکو اپنی مکمل کاغذات کے ساتھ برطانوی سفارت خانے جا پہنچا جہاں شاید جنگ

عظیم دوئم جیتنے کی خوشی منائی جا رہی تھی۔ گوزنکو نے وہ پلندہ برٹش ہائی کمشنر کے آگے رکھا جو کہ بالآخر کینیڈین وزیر اعظم میکنزی کنگ تک بھی پہنچ گیا۔

کاغذات دیکھتے ہی کینیڈین وزیر اعظم کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس کے سامنے 6 اگست 1945ء کو ہیروشیما میں بسنے والے کم وبیش ایک لاکھ بے گناہ انسانوں کے راکھ بن جانے کا منظر آ گیا جو صرف ٹھیک ایک ماہ قبل رونما ہوا تھا۔ تب تک میکنزی کو سوویت یونین کا دوست سمجھا جاتا تھا لیکن ان کاغذات نے اس کا رخ سیدھا امریکہ کی طرف کر دیا۔ وہ فی الفور صدر ٹرومین کے پاس پہنچ گیا، جس نے آگے برطانوی وزیر اعظم کلیمنٹ اٹیلی کو بھی آگاہ کر دیا۔

اس چوری چھپے کے کھیل کا اہم رکن نیو یارک میں مقیم روسی کونسل جنرل GRU آفیسر اینٹولی یاکولیو تھا۔ ایٹمی راز چرانے کے اس دھندے میں اس کا پہلا معاون ایجنٹ روزنبرگ تھا جو آگے ایک پرانے پاپی جاسوس ہیری گولڈ سے کام لیتا تھا جبکہ وہ ہیری گولڈ مزید آگے ایک برطانوی سائنسدان کلاز فکس سے معلومات سمیٹتا تھا۔ گولڈ، زورنبرگ، کلاز فکس اور گرین گلاس کے درمیاں ایک ڈاکیے کا کام کرتا تھا۔

روسی کونسل جنرل یاکولیو کا ایک اور معاون کار ایلز بیتھ بینٹلے بھی وہیں واشنگٹن میں مقیم تھا۔ اس تمام تر ایٹمی راز چرانے کے دھندے میں ملوث افراد میں سے 26 کینیڈا میں تھے، جن میں سے ایماولکن کینیڈین امور خارجہ سے اور کے ولشار برطانوی ہائی کمیشن سے وابستہ تھے۔ گوزنکو کے مطابق ان ایٹمی اطلاعات کے نکاس میں ملوث ایلس اور گولیا نامی دو برطانوی سائنسدان بھی ملوث تھے۔ گوزنکو کو شکریے اور تحفظ کے طور پر کسی محفوظ مقام پر منتقل کر دیا گیا۔

جلد ہی مغربی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے کینیڈا میں روسی سفارت خانے میں ماسکو سے آنے والا یہ پیغام موصول کیا کہ برطانوی سائنسدان ایلس لندن جا رہا ہے۔ یہ بھی فوراً ہی تصدیق کر لی گئی کہ "ٹیوب الوائے پروجیکٹ" کوڈ نام کی ایٹم ساز کوششوں میں سرگرم عمل اور کمیونسٹوں کا حمایتی ڈاکٹر ایلن نن ہی ایلس ہے۔

بعد ازاں معلوم ہوا کہ اوٹاوہ میں مقیم روسی GRU آفیسر کی زیر نگرانی سارے کا سارا ایٹمی

پیپر ورک ہی کینیڈا میں منتقل کیا جا رہا تھا۔ یہ قیاس آرائی بھی سامنے آئی کہ ہوسکتا ہے کہ 1943ء اور 1945ء کے درمیان میں کہیں اس نے دریائے چاک مانٹریال دورے کے دوران شکاگو میں آرگون لیبارٹری میں جھانک کر امریکی ایٹم سازی ملاحظہ کرلی ہو۔ روس نے اس سے پہلے ایٹم بم کی ترکیب اور یورینیم افزودگی رپورٹس حاصل کی تھیں بلکہ یورینیم 235 کا نمونہ مہیا کردہ بھی وہی ٹھہرا تھا۔ مگر جلد ہی اسے گرفتار کرلیا گیا اور مارچ 1946ء کے بعد دس سال کی سزا سنائی گئی۔

اس کھیل کا ایک دوسرا بڑا کردار روس کو پلوٹونیم بم سازی کا تعمیراتی تخمینہ اور ڈیزائن مہیا کرنے والا ایمل جولیئس کلاز فکس تھا۔ اسی ذہن سے ذہن ملا کر روس ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں مغرب کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔

ایمل جولیئس کلاز بھی "ٹیوب الوائے پراجیکٹ" ہی سے وابستہ تھا اور لندن میں روسی سفارت خانے کے ملٹری معاون سائمن کریمن کو رپورٹس پہنچاتا تھا۔

روسی، جاسوسی کے ماہر یاکولیو کی ہدایت پر امریکی ایٹمی سائنسدانوں سے صرف گپ شپ کیلئے اسے نیویارک میں ہنری گولڈ کے ہاں پہنچا دیا گیا۔ ہیری گولڈ کا کام تمام تر پوائنٹس سے معلومات اکٹھی کر کے بالآخر انہیں ماسکو کی ٹرانسمیشن کے کھاتے میں ڈالنا ہوتا تھا اور یہ سلسلۂ معلومات بھی اپنے آخری مراحل تک پہنچا ہوا تھا۔

ایمل جولیئس کلاز بھی 1946ء میں ہی واپس لندن آ کر ہارویل کے مقام پر پھر سے ایٹمی استحکام کی ریسرچ میں لگ گیا۔

تین سال بعد 1949ء میں اس کی مشکوکیت سامنے آئی اور M1-5 سے وابستہ عہدیدار ولیم سکورڈن نے نہ صرف اسے اپنی تحویل میں لے لیا بلکہ جو کچھ اس کے شعور اور لاشعور میں تھا سب اگلوا لیا۔ اسے چودہ سال کی سزا ہوئی مگر وہ نو سال بعد رہا ہوتے ہی مشرقی جرمنی چلا گیا اور وہاں جاتے ہی ڈریسڈن میں نیوکلیئر ریسرچ کا رڈ ایریکٹر بن گیا۔

جولیئس، ایتھل اور روزنبرگ نام سے جوجوڑا اس دھندے میں ملوث تھا۔ اسے امریکہ میں ہی سزائے موت سنائی گئی اور یہ تحفہ انہیں ہیری گولڈ اور ڈیوڈ گرین گلاس کی معروفت ملا تھا۔

بعدازاں معلوم ہوا کہ گرین گلاس نے اپنی بیوی کو بچانے کیلئے اپنی بہن ایتھل کے خلاف زہر اگلا تھا۔ یہ سارے کردار یہودی مہاجرین کی اولادوں میں سے تھے اور کمیونزم نواز بھی تھے۔ ان میں روزنبرگ یا کو ولیو کے زیادہ قریب تھا اور ایجنٹس کی بھرتی وغیرہ بھی وہی کیا کرتا تھا۔ سزائے موت پانیوالوں کے حق میں بہت واویلا ہوا کہ ان کا جرم چھوٹا تھا اور سزا بڑی ملی۔

29

جنگِ علمِ نجوم

دنیا کے مختلف ممالک کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی طرف سے مخالفین کو نیچا دکھانے کیلئے کی جانے والی من گھڑت کوششوں پر تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن یہ کہانی کچھ اور ہی طرح کی ہے جس میں برطانیہ اور جرمنی کی دشمنی میں دونوں ممالک کے ماہرین علم نجوم نے ایک دوسرے کے عزائم کو خاک میں ملانے کی بھرپور کوششیں کیں۔

اپنے مخالفین اور دشمن کو اس انداز سے ذلیل و خوار کرنے کی ابتداء برطانیہ کی طرف سے ہوئی اور یہ ہٹلر کے دست راست اور شیدائی روڈولف ہس کو بہکانے میں کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ برطانیہ سے پر امن مذاکرات کیلئے تیار ہو گیا اور ان کوششوں سے ہٹلر بھی ہل گیا۔ یہ سکینڈل بھی ایک ایسی ہی کہانی ہے۔

سکاٹ لینڈ میں ایک فوجی ہوائی اڈے کے قریب سے گزرنے والی شاہرہ پر ایک کھلے بالوں والے ملنگ سے آدمی کو ہر آنے جانے والی سواری کو روکتے ہوئے دیکھا گیا۔ جب کوئی بھی سواری اس کے اشاروں پر نہ رکی تو بالآخر وہ عین درمیان سڑک کھڑا ہو گیا، پھر ایک کی بجائے دو سواریاں رک گئیں جن میں ایک گشت کرنے والی پولیس اور دوسری فوج کی حفاظتی دستوں پر ہی مشتمل گاڑی تھی۔

اس شخص نے اپنے آپ کو روڈولف ہس ظاہر کیا اور زبان تو انگلش استعمال کی لیکن لہجہ جرمنوں جیسا ہی تھا۔ اس نے یہ کہا کہ وہ اپنے ذاتی طیارے میسر زشمٹ پر آیا ہے جو کہ قریبی

چھاونی پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ پولیس والے تو اس کی وہ گفتگو سن کر ہکا بکا رہ گئے، پھر انہوں نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے اسے اپنی حراست میں لے لیا اور کسی ٹھکانے پر پہنچ کر اس کی خوب ٹھکائی کی، جبکہ آگے سے وہ مسلسل پکار کرتا رہا کہ وہ ایک انتہائی امن مشن پر ہے اور اسے جلد از جلد ڈیوک آف ہملٹن کے قلعے تک پہنچنا چاہئے۔

جب حکام بالا تک یہ نوبت پہنچی تو دہل گئے اور جب یہی خبر اخبارات میں آئی تو پوری دنیا مضطرب سی ہو کر رہ گئی کہ کیا واقعی ہس برطانیہ جا پہنچا ہے۔ ہس کی طرف سے یہ بیان بھی آ گیا کہ سکاٹ لینڈ کے کسی نجومی نے اس کی نحوست اور جرمنی اور برطانیہ کے مابین کشیدگی کم کرنے کیلئے پیش گوئی کی تھی لہٰذا وہ اس کے نتیجے میں آیا ہے۔

یہ کتاب پڑھنے والے جاسوسی ناول نگاری کے سرخیل مصنف آیان فلیمنگ کے نام سے آگاہ ہیں تو بس پھر وہ سمجھ لیں کہ ایسی کہانیوں میں ایسے کرداروں کا استعمال وہی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ جاسوسی فلموں میں جیمز بانڈ 007 کا کردار تھا۔ 1939ء میں جب جرمنی اور برطانیہ کے درمیان انٹیلی جنس جنگ اپنے عروج پر تھی تو یہی آیان فلیمنگ برٹش نیوی میں انٹیلی جنس آفیسر تھا اور یہ اس کی سوچ تھی کہ اگر کسی نہ کسی طرح کسی نازی جرمن لیڈر کو جرمنی سے نکال کر ذلیل و رسوا کر دیا جائے تو جرمنی برطانیہ کی طرف قدم پیش قدمی کرتے وقت بار بار سوچے گا۔

گوئبل کے دل و دماغ میں بھی ایسے ہی خدشات و خطرات پنپتے تو رہتے تھے کہ کہیں کسی طرح انہیں برطانیہ نفسیاتی مار نہ دے جائے، لہٰذا اس نفسیاتی حربے کے بعد اس نے بھی پیسے دے کر اپنے نجومیوں سے برطانیہ کے خلاف پیشین گوئیاں اخباروں میں چھپوانی شروع کر دیں کہ ایک نہ ایک دن جرمن قوم فتح یاب ہوگی اور اس کے دشمن خاک میں مل جائیں گے۔

اس کے جواب میں برطانوی انٹیلی جنس نے بھی کئی ایک نجومیوں کی جرمنی کے خلاف پیشین گوئیاں جرمن اخبارات اور رسالوں میں ہی چھپوائیں اور پھر کئی ہزار کاپیاں سمگل کر کے دنیا بھر میں پھیلا دیں۔

اس فرضی اور جعلی حربے سے جرمنی پر انتہائی منفی اور برطانیہ پر قدرے مثبت اثرات مرتب

ہوئے۔اس سلسلے میں برطانیہ نے لیوس ڈی وول نامی ایک جرمن نجومی کی خدمات حاصل کیں جو ہٹلر کے نجومیوں کے اسرار و رموز سے بھی خوب آگاہ تھا۔

M1-5 اور M1-6 جیسی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے معلوم کرلیا تھا کہ نازی کا پارٹی لیڈر ہس نہ صرف ان باتوں پر یقین رکھتا ہے بلکہ اس کے نائی دھوبی اور ڈاکٹر تک علم نجوم کاری میں ملوث ہیں۔

یہ بھی پتہ چل گیا کہ جرمن جاسوسی نظام میں ہس اور ایڈمرل کاناریس کی آپس میں خوب لگتی ہے جس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن اس سلسلے میں بھی برطانوی انٹیلی جنس کو کامیابی تب ملی جب انہوں نے ہس کی علم نجوم ٹیم میں اپنا ایک نجومی پہنچادیا اور اس نے چند ہی دنوں میں ہس کا اعتماد حاصل کرلیا۔

سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ ایک انٹیلی جنس آفیسر نے بھی براستہ سوئٹزرلینڈ نجومی بن کر ہس کو جا گھیرا۔ مارچ 1941ء سے ہی ان افواہوں اور پیشن گوئیوں نے دنیا کو حیران اور جرمنوں کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا کہ آنے والے وقت میں تباہی اور بربادی جرمنوں کیلئے لوح اجل پر لکھی جاچکی ہے۔ 10 مئی 1941ء وہ دن تھا جب ان دو برطانوی نجومیوں نے اس وہمی انسان ہس کو قائل کرلیا کہ اگر امن مشن کی نیت سے وہ برطانیہ چلا جاتا ہے تو امن قائم ہوتے ہی اس کا نام بھی امن کی تاریخ کا ایک روشن باب ثابت ہوگا۔

اُسے یہاں تک قائل کرلیا گیا کہ اگر وہ رائل فیملی کے کسی بھی رکن سے معانقہ کرے گا تو پھر تو کیا ہی بات ہے، مگر اس سلسلے میں کچھ مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے لارڈ سٹیورڈ ڈیوک آف ہملٹن کا نام قطعی قابل قبول ٹھہرا۔ اس کے لئے ایک چھوٹے سے طیارے کا انتظام کیا گیا اور ستاروں کی گردش کے مطابق اس نیک اور بہت بڑے کام کے لئے دس مئی 1941ء کا دن ہی مبارک سمجھا گیا۔

ٹھیک دو گھنٹے کی پرواز کے بعد وہ سکاٹ لینڈ کی سرزمین پر موجود تھا اور پھر جو کچھ ہوا، اسے دوہرانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ اس کا یہ اقدام جرمنی کی تاریخ میں حماقت کے طور پر درج ہے۔

یہ خبر جونہی خبر ہٹلر تک پہنچی تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔اس نے ہس کو تو صرف ایک پاگل دیوانہ کہہ کر بھلا دیا لیکن اپنے ملک جرمنی میں پہلے نمبر کے نامور نجومیوں کو پھانسی، دو نمبر کو عمر قید اور پیشہ نجوم کو یکسر ختم کر دیا۔اس سارے جعلی مگر محنت طلب ڈرامے کا سب سے زیادہ فائدہ روس کو ہوا کیونکہ جرمنی اس پر دھاوا بولنے کیلئے تیار تھا مگر اس واقعہ کے بعد وہ مزید ستانے کیلئے کچھ دیر کیلئے رک گیا۔

30

بالی مین

یہ ایک ایسے جاسوس کی کہانی ہے جو چودہ سال تک اپنا جاسوسی کا دھندہ کرتا رہا۔ برطانوی حکومت کے چیلتن ہام مواصلاتی ہیڈکوارٹر میں ترقی کر کے وہ سیکشن ہیڈ بھی بن گیا اور رہا بھی پس پردہ۔ اس کی جاسوسی کا پردہ ہرگز چاک نہ ہوتا اگر وہ اپنی عیاش طبعیت کے باعث مجبور نہ ہوتا۔ جب وہ برے کاموں جیسی اپنی پرانی عادت کے باعث تفتیشی مراحل سے گذرا تو پھر پرت پہ پرت کھلتے گئے اور آخر کار وہ اپنے اُسی ڈیپارٹمنٹ کیلیے ناقابلِ یقین حد تک نقصان دہ ثابت ہوا۔

اس کہانی کا مرکزی کردار جیوفرے پرائیم برطانیہ کے نواحی علاقے سٹافورڈ شائیر کے علاقے میں ایک معمولی سے گھر میں پیدا ہوا۔ معمولی سی تعلیم پائی، گھر سے بھگوڑا ہوا مگر کسی نہ کسی طرح رائل ایئر فورس میں بھرتی ہو گیا۔ دوران سروس RAF اس نے روسی زبان سیکھ لی اور برلن تعینات ہو گیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے سارجنٹ ہوا اور مشرقی کیمونسٹ ملکوں کی مواصلاتی چیکنگ برانچ میں چلا گیا۔ روسی زبان پر چونکہ اسے عبور تھا لہٰذا فوج کے مواصلاتی ترجمہ سیکشن میں بھیج دیا گیا۔

جیوفرے روسی پروازوں میں موجود پائلٹوں کی اپنے ہیڈکوارٹرز سے اور گوریلوں کی مغربی جرمنی ہیڈکوارٹرز سے ہونے والی گفتگو مواصلاتی آلات سے سنتا اور باترجمہ رپورٹ تیار کر کے افسران بالا کے حوالے کر دیتا۔ اس دوران اُسے کیمونسٹوں اور کیمونزم کی طرف مائل کیا گیا اور پھر اس نے بھی ان کے لئے کام کرنے کا فیصلہ کرتے ہی ریڈ آرمی سے رابطہ کیا جنہوں نے اسے خوش

آمد ید کہا اور اس نے RAF سے متعلقہ اپنی تب تک کی کارگزاری سوویت ایجنٹ ایگور اور ولیا کے حوالے کر دی۔

برطانوی کمیونیکیشن ہیڈ کوارٹر لندن میں بھی اس کی ڈیوٹی ترجمہ کے شعبہ میں تھی۔ 1968ء میں روسی اور جرمن زبانوں میں جاسوسی ٹریننگ کیلئے اسے مشرقی برلن بھی بھیجا گیا تھا۔ اس کا کوڈ نام ''رولینڈ'' رکھا گیا اور اسے مکمل جاسوسی سفری ساز و سامان دیا گیا۔ پہلے تو وہ مائیکرو ڈاٹ سسٹم سے پیغام رسانی کیا کرتا تھا مگر شادی کے بعد اپنی اہلیہ لینا آرگن کے ہمراہ اس نے 1969ء سے کسی دوسری سینس میں کام کرنا شروع کر دیا۔ وہ ایک فرضی معشوقہ کو نظر نہ آنے والی سیاہی سے خط لکھا کرتا تھا۔

1972ء میں اس کی وہ بیوی فوت ہوگئی اور ساتھ اس کا جاسوسی کا کافی سارا سامان گم ہوگیا، لیکن روسی عہدیداروں نے اسے ویسا ہی سامان دوبارہ فراہم کر دیا۔ پرائم اب سگنل انٹیلی جنسی میں ماہر مانا جاتا تھا، لہٰذا اُسے چیلتن ہام ہیڈ کوارٹر لا کر مزید کام کے نئے نئے طریقہ کار سے بھی آگاہی دی گئی۔ GCHQ کا تمام تر کام امریکن NSA سے مربوط تھا، جہاں سے ریو لائیٹ نام کی ایک نئی سیٹلائٹ فضائی مدار میں پہنچائی گئی تھی جو کہ سوویت یونین کے اڑتے ہوئے ہر لفظ کے پر گننے اور کاٹنے کی صلاحیت سے مالا مال تھی اور مشرقی یورپ پر متعین میزائل سازی کو بھی کنٹرول کر سکتی تھی۔ پراجیکٹ بائی مین' اسی کا کوڈ نام تھا۔

پرائم یہ سارے کے سارے فوائد جوں کے توں روس کے حوالے کرتا رہا اور مال بھی وصول کرتا رہا۔ روسیوں نے اسے وی آنا کے دورے کے بہانے بھی بہت خوش رکھا۔ پھر اُس کی ترقی ہوئی اور وہ اپنے سیکشن کا انچارج بن گیا۔ روس تو اُس پر اس قدر مہربان ہوا کہ اس کیلئے روس آنے کی راہیں بھی روشن کر دی گئیں۔

پرائم کے سہارے روس کو امریکہ کے غلط پیغامات برطانیہ بھیجنے اور انہیں تنگ کرنے کے طریقے بھی معلوم ہوگئے۔ 1977ء میں پرائم نے رونا ریٹکلف نامی عورت سے دوسری شادی کی او GCHQ چھوڑنا چاہا مگر وہ فیصلہ نہ کر سکا۔ 1980ء میں اسے روس سے پھر بلاوا آیا اور

وی آنا میں اسے KGB میں L4,000 کے عوض ملازمت کی پیشکش کی گئی۔ مگر اب برے وقت کی پرچھائیاں اس پر پڑنے لگی تھیں اور وہ ہر چھوٹی بڑی عورت حتیٰ کہ کم سن بچیوں سے بھی جنسی باتوں اور بدکاری کا مرتکب ہونے لگا۔

پرائم ایک دن کسی گھر میں داخل ہوا اور چاقو سے کسی لڑکی کو ڈرانے لگا۔ لڑکی کی چیخیں سن کر لوگ اکٹھے ہوئے تو اپنی کار میں فرار ہو گیا۔ مگر پولیس کے پیچھا کرنے پر پکڑ لیا گیا لیکن اپنے عہدے اور انکار پر چھوٹ گیا۔

گھر آ کر اس نے اپنی بیوی کو نہ صرف وہ لڑکی والی واردات بتا دی بلکہ اپنے جاسوسی مشن سے بھی کئی پردے اٹھا دیئے۔ پھر وہ خود ہی پولیس سٹیشن حاضر ہو گیا اور لڑکی والا گناہ بھی مان لیا۔ اس اعتراف سے پرائم کی بیوی پر سخت ذہنی دباؤ میں آ گئی۔ آخر کار جب پرائم کی جاسوس سرگرمیوں سے پردہ اٹھا تو اسے پورے 35 سال کے لیے جیل واضح دکھائی دینے لگی۔ اس کے علاوہ معصوم لڑکی پر ہاتھ ڈالنے کے جرم میں اس کی سزا میں تین سال مزید شامل سزا کر لئے گئے۔

31

رام سواروپ

یہ ایک ایسے جاسوس کی داستان ہے جو سائیکلوں کو پنکچر لگاتے لگاتے بین الاقوامی سطح پر جاسوسی میں ہوا بھرنے اور نکالنے میں ماہر مانا جانے لگا۔ کم وبیش تیس سال کی جاسوسی کے بعد وہ اس حد تک مالدار ہو چکا تھا کہ اس کے تعلقات بھارتی وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی تک استوار ہو چکے تھے۔ جب اس کے بھید کھلے تو پورا فلک لرز گیا اور اس ایک شخص کی وجہ سے عالمی بھونچال کا رخ ہندوستان کی طرف ہو گیا۔

رام سواروپ کو جب یہ بھنک پڑی کہ ہندوستانی حکومت اس کی مکروہ حرکات وسکنات سے آگاہ ہو چکی ہے اور اب کسی بھی وقت انٹیلی جنس کا پھندہ اس کی گردن پر اپنے نشان پکے کرنے ہی والا ہے تو اسے یہ جاننے میں ذرا دیر نہیں لگی کہ اس پر فارن ایکسچینج ریگولیشن ایکٹ کے تحت ہی ہاتھ ڈالا جائے گا، لہٰذا اس نے گرفتاری سے بچنے کے لئے ضمانت کی خاطر عدالت کی طرف قدم بڑھانے شروع کر دیئے۔

چونکہ پولیس اس کی تلاش کیلئے سرگرداں تھی، لہٰذا 28 اکتوبر 1985ء کی ایک رات اسے نیو فرینڈز کالونی کے ایک گیسٹ ہاؤس سے گرفتار کر لیا گیا جہاں وہ پریم چوپڑہ کے فرضی نام سے مقیم تھا۔ وہ ایک عرصے سے ایسے ہی پولیس کو دھوکا دیتا چلا آ رہا تھا۔ اندرا گاندھی قتل کیس میں ملزمان کی طرف سے بالخصوص ستونت سنگھ کیلئے پران ناتھ لیکھی پیش پیش تھا اور انٹیلی جنس کو اس کی ان پیش قدمیوں پر شکوک وشبہات تھے۔ لہٰذا جب اس کی حرکات وسکنات کو دائرہ نگرانی

میں لایا گیا تو راہیں رام سواروپ کی راہوں میں مدغم ہوتی ہوئی نظر آئیں۔ تفتیش کے ہر موڑ پر اس کا کردار اور کرتوت اور بھی نمایاں ہوتے چلے گئے۔

55 سالہ رام سواروپ بعد از تقسیم لاہور سے دہلی آیا تھا اور نارتھ ایوینیو میں ممبران پارلیمنٹ کے سرونٹ کوارٹروں میں رہائش پذیر ہوا تھا۔ اپنی ذاتی زندگی کی سائیکل کو چلانے کیلئے اس نے دوسروں کی سائیکلوں کو پنکچر لگانے شروع کر دیئے۔ ہوشیار چالاک تو وہ تھا ہی، تب ہی اس نے اس عمر میں بھی ایک چینی عورت کو شادی کے شیشے میں اتار لیا۔ پھر اس نے انڈیا سے باہر جانیوالے آنے والے لوگوں کو مختلف شیشوں میں اتارنا شروع کر دیا۔ اس طرح اس کی ملکی اور غیر ملکی رازوں سے آگاہی ہوتی چلی گئی، پھر ان رازوں کے سودے بازوں سے واقفیت ہوئی اور اس کی منزل CIA ٹھہری، جس سے وہ پندرہ سال وابستہ رہا۔ 1970ء کی دہائی میں CIA سے مستفید ہوتے ہوئے CIA کو ہی اس نے اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ اس کے ذمے مرزا جی ڈیسائی کو اندرا گاندھی کی کابینہ سے الگ کرنے کا کام لگایا گیا اور اس نے وہ کام کر دکھایا۔

ہیری سی ویدربی نامی ایک امریکن سفارتکار کو جب لارکن جاسوسی کیس کی وجہ سے انڈیا چھوڑ دینے کے احکامات ملے تو اس نے ان احکامات پر عمل رام سواروپ کے مشورے کے بعد ہی کیا۔ اس دوران بظاہر تو اس نے فرینکفرٹ اور امریکہ سے مربوط ایک نیوز ایجنسی کھول رکھی تھی جبکہ اپنے اصل دھندے کے عوض اس وقت قریباً سوا لاکھ تک وصول کر رہا تھا۔

کوئی بیس برس پہلے امریکی انفارمیشن سنٹر میں اسکی ملاقات "کنگ" (کوڈ نام) سے ہوئی، جس نے اہم لوگوں کی معمولی معلومات کے حصول کے عوض اسے خطیر رقم کی جھلک کرائی اور پھر مزید مطمئن ہو جانے کے بعد CIA کی راہ دکھائی جس پر چلتے ہوئے وہ وزیروں اور سفیروں تک جا پہنچا۔

دہلی ہائی کورٹ نے اس کی ضمانت رد کرتے ہوئے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ رام سواروپ نامی انڈین شہری انڈیا کے وجود اور سلامتی سے مکمل کنارہ کش ہو چکا تھا۔ جاسوسوں کی حسیات کے نتائج ایسے ہی ہوتے ہیں۔

اپنے ملک انڈیا میں رہ کر بھی وہ اپنے آپ کو تائیوانی ظاہر کرتا اور اپنی تمام تر خط و کتابت بھی تائیوان ہی کے کسی خفیہ ایڈریس پر بھیجتا رہا جو بھارتی سلامتی کے خلاف تھی۔ جب اسے مختلف تفتیشی مراحل سے گزارا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ امریکہ کے علاوہ اسرائیل اور مغربی جرمنی کا بھی نمک خوار رہا ہے۔

بھارتی وزارت خارجہ کو اس کے خلاف چین سے بذریعہ خطوط شکایات ملتی رہتی تھیں، جن کی بنا پر جب اس کی رہائش گاہ پر چھاپہ مارا گیا تو حیران کن حد تک غیر ملکی کرنسی بھی ملی تھی مگر وہ خود نہ ملا۔ وہ اس دوران امریکہ میں کسی اجلاس میں شرکت کے لئے گیا ہوا تھا۔ 28 ستمبر کو اس کی رہائش گاہ سبحان سنگھ پارک چھاپہ مارا گیا تو وہ تو پھر بھی ہاتھ نہ لگا لیکن انٹیلی جنس اداروں کو اتنی دستاویزات ہاتھ لگیں کہ جس کے عوض اسے عمر بھر کیلئے جیل میں ڈال دیا گیا۔

32

جاسوس پوپ

رومن کیتھولک فرقے کے رہنما پوپ کو دنیا بھر میں عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کے متعلق تو سوچا بھی نہیں جاسکتا ہے کہ وہ کسی دنیاوی مکروہ دھندے میں ملوث ہوسکتا ہے۔ تاہم جب ویٹیکین جیسے مقدس شہر میں کیا جانے والا کاروبار جاسوسی پوپ کے گلے پڑنے لگا تو آسمان پر بھی حیرتوں کے بادل چھا گئے۔

ماسکو کے عوام کیلئے اپریل 1940ء میں کا دوسرا منگل پوپ کے بارے میں ایک واقعی حیران کن دن تھا۔ وہی دن دنیا بھر کے لیے مقدس پوپ کے بارے میں بڑی بدشگونی کا دن تھا کیونکہ اسی دن اس مقدس پوپ کی زیر نگرانی چلنے والا کاروبار جاسوسی پکڑا گیا اور پوپ ننگا ہوکر رہ گیا۔

وہ دن ماسکو پر بھی بڑا بھاری تھا۔ مقامی اور داخلی پولیس نے ایک 48 سالہ تندرست اور خوش شکل سے بالڈی میئر پولا کی نامی شخصیت کو سپیشل عدالت میں پیش کیا۔ اس پر الزام تھا کہ وہ جعلی پاسپورٹ پر ماسکو میں رہ رہا ہے، جبکہ اس کا کہنا تھا کہ وہ ایک ازبکستانی کسان ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا اصل نام والٹر سینزر تھا اور وہ امریکہ کے شہر پنسلوانیا ایک پادری تھا۔ اسے مقدس پوپ کی زیر نگرانی جاسوسی کیلئے روس بھیجا گیا تھا۔

اس جاسوس کا رفعل کی پاداش میں اسے عمر بھر کی قید ہوئی مگر 23 سال بعد امریکہ میں قید

ایک روسی ایجنٹ کے بدلے میں اسے امریکہ کے حوالے کر دیا گیا۔ امریکہ نے اسے واپس لاتے ہی ویٹیکین میں ہی دفتر خارجہ کی افسرانہ کرسی پیش کر دی تھی۔ جبکہ روس نے بھی اس وقوعے کو دنیا بھر کی نظروں میں خوب اچھالا۔ والٹر سیزر کے مطابق ویٹیکین میں چکیو یاڑ سچکم نام کی ایک تنظیم تھی جو دوسرے ممالک میں جاسوسی کیلئے براہ راست پوپ کی زیر نگرانی پادریوں کی تربیت کرتی تھی۔

وہاں یہ کام پچھلے تین سو سال سے چلا آ رہا تھا اور وہ تربیت گاہیں ویٹیکین شہر سے کافی ہٹ کر تھیں اور دور سے قلعہ نما لگتی تھیں۔ وہاں بظاہر تو کوئی سیکیورٹی وغیرہ بھی نظر نہ آتی تھی مگر وہ عمارت جدید الیکٹرانکس آلات سے خوب مزین تھی۔ پادریوں کی تربیت دوران عبادت ہی ہوا کرتی تھی اور انہیں لوگوں پر نفسیاتی طور پر موثر ہونے کی صورت میں معلومات کے حصول کی بھی سوجھ بوجھ دی جاتی تھی۔

خلقت خطار کار تو ہوتی ہی ہے جسے وہ اپنے آگے بٹھاتے، خود پیچھے بیٹھتے، وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے، یہ دعائیں دیتے اور ساتھ ساتھ اپنا کام بھی چلائے جاتے۔ 1950ء کی دہائی میں بہت سے پادریوں کو اسی سلسلے میں حراست میں لیا گیا۔ جان کیلیز نامی پادری یوکرائین سے اور الیف یوحنا سائبیریا سے پکڑے گئے تھے۔ عدالت میں انہوں نے سزائے موت قبول کر لی مگر دوران تفتیش زبان تک نہ ہلائی تھی۔

پاپال جاسوس کار جوڑے کی جاسوسی کی کہانی بھی عجیب تھی۔ جب روس میں غلے کا بحران پیدا ہوا اور اس نے امریکہ سے غلہ خریداری کا پروگرام بنایا تو اس نے اپنے فرائض کی ادائیگیاں کرتے ہوئے امریکہ کو خبردار کر دیا۔ اس نے فی الفور ہی غلہ برآمدگی کے نرخ بڑھا دیئے اور روس کو امریکی غلہ منہ مانگے داموں خرید کر اپنی عوام کا پیٹ بھرنا پڑا۔

پندرھویں صدی عیسوی میں پوپ حکومت سازی پر خاصا اثر انداز رہا کرتا تھا۔ اسی وقت سے اس نے اپنی زیر نگرانی جاسوس سرگرمیوں کو بھی ہوا دینی شروع کر دی۔ سولہویں صدی تک تو جاسوس کاری پوپ کی زیر نگرانی میں سلطنت برطانیہ کی بنیادوں تک پہنچ آئی تھی، یعنی بذریعہ پوپ

ملکہ الزبیتھ کی جگہ اس کی بہن میری تخت نشین ہونے لگی تھی۔ مگر انٹیلی جنس چیف سر فرانچز والسنام نے اس وقت کے وقعت کار پوپ فادر انتھونی بابنگٹن کی ساری سازش کا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا۔

سر فرانچز والسنام کو میری اور پوپ کے مابین خط و کتابت اور دوسری پیغام رسانیوں سے لے کر شراب کے کنستروں میں چھپا کر پہنچائے جانے والے پیغامات کی کھوج اور تحقیق و تفتیش کیلئے ایک بدنام زمانہ مجرم گلبرٹ گفورڈ کی خدمات بھی حاصل کرنی پڑیں۔ ان کی یہ دوڑ دھوپ اور کوششیں رائیگاں ہرگز نہیں گئی۔ مختصر سی قید و بند کے بعد 1587ء میں قلعہ فودرنگھے میں میری کا سر تن سے جدا کر دیا گیا اور اس طرح پادریوں کے روپ میں جاسوسی اور غداری کا ایک باب بند ہو گیا۔

33

بھیو بخشی کی کہانی

اس جاسوسی سکینڈل کا تعلق پاکستان سے ہے۔ غیر ملکی جاسوسوں نے انڈین نیوی کے راز چرانے کی متعدد بار کوششیں کیں اور ان کوششوں میں ایسے کردار بھی شامل رہے ہیں جو پہلے بھی کئی بار شکنجوں میں آئے اور نکل گئے مگر اپنی عادتوں سے باز نہ آئے۔

دہلی میں ایک غیر ملکی سفارتخانے کی کار جامعہ مسجد چوک کی طرف جانے والی سڑک پر آتے آتے ایک طرف ہو کر رک گئی۔ ایک شخص اس میں سے نکل کر کوئی نقص دیکھنے کیلئے اس کے نیچے گیا جبکہ دو اشخاص پچھلی سیٹ پر بیٹھے رہے۔ پھر ان میں سے ایک نے اپنے ہاتھ سے آہٹ پیدا کی اور نیچے والا آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے ہاتھ ملتے ہوئے قریب کوئی پانی کی ٹونٹی تلاش کرنے لگا۔ چند گز دور دو کانوں کے آگے کچھ لکڑیاں پڑی تھیں، لوگ آ جا رہے تھے اور ان میں سے ایک شخص نے اس کار میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کو پہچان لیا مگر وہ بھی پانی کی ٹونٹی کی طرف ہی بڑھنے لگا۔

سڑک کے دوسری طرف ہجوم میں ایک شخص دوسرے سے ٹکرایا اور ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا، جناب ذرا دیکھ کر تو چلیں۔ او سوری، ویری سوری، لیکن آپ کے کچھ کاغذات گرے ہیں، یہ لے لیں، اور اس نے اردو بولنے والے کو ایک لفافہ دیدیا اور خود اس ہجوم میں گم ہو گیا۔ وہ دو آدمی ایک عرصے سے اس ہجوم کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ ڈرامہ کرتے چلے آ رہے تھے اور ان لفافوں میں مبینہ طور پر انڈین دفاعی راز پاکستان پہنچائے جا رہے تھے۔

دوسری طرف ٹونٹی پر ہاتھ دھونے والا انٹیلی جنس آفیسر تھا جو جیب سے بڑا سا رومال نکال کر

ہاتھ صاف کرتے ہوئے لفافے والے آدمی کی طرف بڑھا جو کہ رکشا روکنے کیلئے ہاتھ ہلا رہا تھا۔ ہاتھ صاف کرنے والے نے وہی رومال کسی اور طریقے سے ہلایا تو فی الفور ہی سامنے سے ایک پرانا کتب فروش اور ایک مزدور نما شخص دوڑ پڑے اور اس لفافے والے شخص کو قابو میں لے لیا۔ ہجوم اکٹھا ہونا شروع ہوا تو اتنے میں وہ دور کھڑی کار بھی قریب آ گئی اور انٹیلی جنس آفیسر نے ہجوم سے یہ کہتے ہوئے اس شخص کو کار میں دھکیل دیا کہ، یہ ایک جاسوس تھا جسے ہم نے آج پکڑ لیا ہے۔

24 نومبر کو اس واقعے کی تشہیر ہوئی کہ وہ حراست میں لیا جانے والا شخص گل زماں پاکستانی سفارتی آفیسر تھا جس کے ساتھ مشتاق محمد اور منور علی کو بھی نہ پسندیدہ افراد قرار دیکر انڈیا بدری کے احکامات مل گئے۔ اس کے جواب میں پاکستان نے بھی اسلام آباد کی انڈین ایمبیسی سے چار عہدیداران کو پاکستان بدر کر دیا۔ اس طرح دونوں ملکوں نے حساب برابر رکھا۔

23 نومبر کو اسی سلسلے میں انڈین انٹیلی جنس نیول فوٹو گرافر پانچ بھیو اور راجن بخشی ایڈووکیٹ کو بھی گرفتار کر چکی تھی۔ گل زماں سے جو لفافہ برآمد ہوا اس میں بھیو کا ہی دیا ہوا مواد تھا جبکہ باقی مواد اسکے گھر کی تلاشی میں برآمد ہوا۔ طریقہ کار اس کا بڑا ہی سادہ تھا، یعنی تمام تر فوٹو کاپیاں وہ اپنے ٹفن بکس میں ڈال کر سب کی نظروں سے اوجھل کر لیتا تھا۔ بعد از تحقیق و تفتیش بھید کھلا کہ بھیو وہ تمام دستاویزات پاکستان کیلئے جاسوسی کرنے والے لکارام، مام چند اور کیپٹن اجیت سنگھ کے ہاتھ بیچ دیا کرتا تھا۔ جب وہ سارا ٹولہ دھر لیا گیا تو وہ بھیو کہیں بھاگ گیا، مگر کچھ عرصہ بعد پھر سے پاکستان کی طرف للچائی نظروں سے دیکھنے لگا۔ راجن بخشی ایڈووکیٹ ریٹائرڈ نیوی کمانڈر ٹی بخشی کا بیٹا تھا۔ اس نے دوران تفتیش زبان سے تو کوئی زیادہ زہر نہ اگلا لیکن اس کی رہائش سے کچھ کاغذات برآمد ہوئے۔

1977ء میں پلاننگ کمیشن میں مہابیر پرساد اور رتنا شار یڈی پر مشتمل جاسوسی کے ایک گروہ کا سراغ لگایا گیا تھا۔ راجن بخشی مہابیر پرساد اور رتنا شار یڈی کا قانونی مشیر بن گیا اور اسی طرح اس کے بھی ان جاسوسوں کے گروہ سے تعلقات بنے۔ رتنا شہ چیکو سلواکیہ کی شہری تھی۔ راجن امریکہ کیلئے

جاسوسی کرتا تھا۔اس لئے امریکہ بھی اپنے جاسوس کو بچانے کے لئے میدان میں آ گیا۔پھر ساتھ ساتھ دوسرے ممالک کے چوردروازے بھی کھلتے چلے گئے۔بھیو چین اور پاکستان کے لئے جاسوسی کیا کرتا تھا اور وہ چین کے راستے خفیہ دستاویزات پاکستان بھجواتا تھا۔

34

تہران دستاویزات

جب رضا شاہ پہلوی کے اقتدار کا سورج غروب ہوا اور انقلابیوں نے تہران سمیت امریکن ایمبیسی بھی اپنے محاصرے میں لے لی تو انقلابی طلباء کے ہاتھوں جو سینکڑوں سیکرٹ فائلیں لگیں وہ پورے ایشاء میں ایک الجھاؤ پیدا کرنے کی کوششوں پر مبنی امریکی ایجنٹوں کی کرتوتوں اور کارستانیوں سے بھری پڑی تھیں۔ یہ دستاویزات سامنے آنے سے امریکہ کے ظاہر باطن سے ساری دنیا دنگ رہ گئی۔

اندرا گاندھی کی وفات کے بعد شری راجیو گاندھی سے دنیا بھر کے صحافی انٹرویوز کے لئے آ رہے تھے۔ امریکی میگزین ''نیوز ویک'' کے صحافی نے جب ان سے ایک چبھتا ہوا سوال پوچھا تو شری راجیو گاندھی نے بڑے نپے تلے انداز میں جواباً کہا کہ 4 نومبر 1981ء کو تہران میں امریکن ایمبیسی کی قابو کردہ فائلوں میں وہ فائل بھی موجود تھی جس میں پاکستان نے بھارت کے خلاف استعمال کے لئے امریکہ سے F-16 طیاروں کا مطالبہ کیا تھا۔ اس نو آموز پرائم منسٹر کی حاضر جوابی سن کر سب پر ایک چپ سی پڑ گئی اور امریکہ کا بھی کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا۔

راجیو گاندھی کے مطابق رضا شاہ پہلوی کے زوال سے پہلے امریکی سیکریٹری خارجہ سائیرس وینس نے تہران، اسلام آباد اور دہلی میں اپنے سفارت خانوں کو جو ٹیلیکس پیغامات بھیجے تھے، ان کا خلاصہ وہی تھا جو پاکستانی وزیر خارجہ آغا شاہی نے امریکی وزیر خارجہ سے ڈسکس کیا تھا کہ آخر کار امریکہ پاکستانی فوجی طاقت کے توازن کیلئے کیا کر رہا ہے۔ دفتر خارجہ کے ترجمان کا

جواب یہ تھا کہ فوجی ساز و سامان کی ترسیل پر کانگریس کی طرف سے سخت پابندی ہے، لہٰذا دوست ممالک کی امداد زیر غور ہے۔ آغا شاہی کی استدعا تھی کہ جب تک جدید لڑاکا F-16 پاکستان کو نہیں دیئے جاتے تو انڈیا کے مقابلے کے لئے اس کی سلامتی خطرے میں ہے۔

امریکہ نے پاکستان کی سیاسی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے یقین دہانی کرائی کہ امریکہ اسے کبھی نظر انداز نہیں کرے گا اور انڈیا بھی اسے بالکل پریشان نہیں کرے گا۔ اسے سمجھا دیا جائے گا۔ آغا شاہی نے جو مرار جی ڈیسائی کو شاباش دی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ ماسکو دورے کے دوران صدر برزنیف اور وزیر اعظم کوسیجن چاہتے تھے کہ انڈیا پاکستان کو ایک سبق سکھادے لیکن مرارجی ڈیسائی یہ نہیں چاہتے تھے۔

راجیو گاندھی کے مطابق تہران میں امریکی ایمبیسی کی فائلیں کہتی تھیں کہ فرانس میں امریکی سفیر سے پاکستانی سفارت کار اقبال اخوند نے واضح طور پر کہا تھا کہ پاکستان اپنے ذرائع سے ایٹم بم بنا رہا ہے۔ بالفرض فرانس اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیتا ہے تو بھی پاکستانی ہاتھ اپنا کام کرتے رہیں گے۔ اگرچہ پاکستان بھی ایٹمی پھیلاؤ کے خلاف ہے لیکن انڈیا اور افغانستان کے مقابلے میں اپنی فوجی طاقت کے توازن کو ٹھیک ٹھاک رکھنا بھی تو بہت ضروری ہے۔

قارئین حیران ہوں گے کہ یہ ساری دستاویزات اس قسم کی کیوں تھیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دستاویزات امریکی انٹیلی جنس ورکروں کی ورکنگ گائیڈیں اور امریکی انٹیلی جنس نیٹ ورکنگ کا ایک بڑا ثبوت تھیں۔

ان دستاویزات کی 45ویں اور 46 فائل سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان اور امریکہ کی کس قدر قربت اور مفادات میں ساجھے داری تھی۔ مثال کے طور پر اسلام آباد میں روس اور پاکستان کے مابین جو معاشی معاہدہ سات ماہ بعد ہونا تھا۔ وہ ماسکو میں پاکستانی سفیر نے امریکی سفیر کی میز پر پہنچا بھی دیا تھا۔ جنرل ضیاء الحق اور کوسیجن کو خط و کتابت بھی فی الفور امریکی آئینے میں اتر جاتی تھی، حتیٰ کہ پاکستانی وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خاں اور کوسیجن کی بات چیت کی کاپیاں بھی اسی دن اسلام آباد، دہلی اور تہران میں امریکی

سفارت کاروں کی عینکوں کے نیچے پہنچادی گئی تھیں۔

اسی دوران ایرانی حکومت کے ہاتھ ''بحق پاکستان کو امریکی امداد کی یقین دہانی'' نامی دستاویزات لگی جس میں واضح طور پر لکھا ہوا تھا کہ انڈیا کے خلاف امریکہ ہر حال میں پاکستان کو فوجی امداد فراہم کرے گا۔ لیکن اُسی دوران پاکستان میں پرورش پانے والے بنیاد پرستوں سے امریکہ خوفزدہ ہوگیا۔ امریکی سفیر کہنے لگا کہ، جنرل ضیاء الحق تو خود کٹر مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ضیاء کے کٹر مذہبی ہونے کے بارے میں کھوج لگانے کی ذمہ داری ''انروائلب'' کو سونپی گئی۔ ''انروائلب'' سی آئی اے کے اسلام آباد میں سٹیشن چیف کا کوڈ نام تھا۔

ان دستاویزات کے مطابق ''انروائلب'' کے ذریعے یہ تمام باتیں تہران ایمبیسی میں نوٹ کرادی گئی۔ پاکستان میں پرورش پانیوالے مذہبی طبقوں سے روس بھی پریشان ہوگیا تھا جس کا اظہار اس نے وزیر خارجہ واجپائی اور مرار جی ڈیسائی سے ماسکو میں کیا تھا۔ امریکہ کو نظر تو آرہا تھا کہ افغانسان روس کے منہ میں جارہا ہے مگر وہ ایران اور رضا شاہ پہلوی کو کہیں کنارے لگانے جیسی مصروفیات میں مگن تھا اور اس سلسے میں نہ جانے کیوں اسے اپنے سابقہ دوست وزیر شاہ پور بختیار کی بھی اشد ضرورت تھی، جو مل نہیں رہا تھا اور CIA اس کی تلاش میں سرگرداں تھی۔

انہی دستاویزات کے صفحہ 36 سے معلوم ہوتا ہے کہ CIA سے تعاون کرنیوالے ایرانیوں کو کس قدر اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔ صفحہ نمبر 9 پر مندرج ہے کہ سابق ایرانی صدر بنی صدر CIA سے 1,000$ ماہانہ رقم لیتے تھے اور اس کے بدلے میں CIA چاہتی تھی کہ وہ ان کے لئے کام کرے۔ بنی صدر کا کوڈ نام SD لوئر 1 تھا اور وہ CIA کے ایجنٹ ورنان کیسن سے تب سے رابطے میں تھا جب پیرس میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا۔

الغرض ناموافق ممالک میں سیاسی اور سفارتی شرارتیں جاری رکھنا امریکہ کا مطمع نظر رہا ہے اور وہ تیسری دنیا کے سیاستدانوں کو سویا ہوا اور افسر شاہی کو قابل خرید سمجھتا ہے۔

35

گروپ نمبر 47

فرانسیسی فطری طور پر متحمل مزاج اور تعاون کرنے والے ہوتے ہیں۔ جاسوسی کے واقعات رونما ہونے پر بھی ماسوائے کسی خطرناک صورت حال کے وہ نہ زیادہ شور ڈالتے ہیں اور نہ ہی بدحواس ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لاتعداد افراد کے ملوث ہونے والے ایک بڑے جاسوسی سیکنڈل کا نہ تو کوئی بہت زیادہ واویلا ہوا اور نہ ہی اسے دردِ سر سمجھا گیا۔

فرانس نے اپریل 1983ء میں اکٹھے چالیس روسی سفارتکاروں اور سات دوسرے افراد کو فی الفور فرانس بدر ہو جانے کے احکامات جاری کر دیئے۔ اُن میں فرسٹ کونصلر نکولس شیوریکوف بھی سرفہرست تھا۔ ان سب پر الزام یہ تھا کہ وہ فرانس میں بائیں بازوؤں کو ہوائیں دینے کی ناپسندیدہ کاروائیوں میں ملوث ہیں۔ اس وقت پورے فرانس میں دو ہزار چار سو کے قریب روسی رہ رہے تھے، جن میں سات سو کے پاس پاسپورٹ بھی تھے۔ اس وقوعے پر بہت سارے روسیوں نے خلاف توقع بیانات بھی دیئے کہ وہ ایسی سرگرمیوں میں ہرگز ملوث نہیں ہیں۔ اسی دوران فرنچ انٹیلی جنس سروسز ونگ DST نے پانچ ایسے فرانسیسیوں کو گرفتار کرلیا جو جاسوسی دستاویزات کی ترسیل میں مصروف تھے۔

ان فرانسیسیوں میں ایک انجینئرنگ فرم کا انجینئرز پیٹرک گیریئر اور ایک جج مونسیئر بھی تھا اوران پر سوویت ٹریڈ مشن میں دستاویزات کی ہیرا پھیری کے الزامات تھے۔ اُس ساری وقوعہ

کاری کے خلاف روس نے اُف تک نہ کی جس پر امریکی انٹیلی جنس بھی بولے بغیر نہ رہ سکی کہ فرنچ حکومت کے ملزمان کے خلاف الزامات غلط ہیں، وگرنہ روس بھی انگڑائی ضرور لیتا اور اس ضمن میں کوئی کارروائی کرتا۔ پریس نے اس وقوعے کو گروپ 47 سکینڈل کا نام دیا۔ یہ سارا واقع رونما ہو گیا لیکن تفصیلات سامنے نہ آئیں۔ حتیٰ کہ جاسوسی کی دنیا سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی اس سے بے خبر ہی رہے۔ 1990ء میں جو تفصیلات سامنے آئیں وہ بس اتنی ہی تھیں۔

آئی ایس آئی کے دو کارنامے

مادھوری گپتا

کلبھوشن یادیو

36

مادھوی گپتا

اسلام آباد کے سفارتی حلقے اور بھارتی انٹیلی جنس اس وقت حیران و پریشان رہ گئی جب انہیں پتہ چلا کہ آئی ایس آئی بھارتی ہائی کمیشن میں سرایت کر گئی ہے۔ بھارتی خاتون سفارت کار مادھوری نے رانا کو یہ بتا کر غلطی کیوں کی کہ اس کے باس آر کے شرما کا تعلق پریس ڈویژن سے نہیں بلکہ وہ اسلام آباد میں بھارتی انٹیلی جنس ''را'' کا اسٹیشن چیف ہے۔ مادھوری گپتا کو حساس دستاویزات آئی ایس آئی کو دینے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا لیکن یہ واقعہ اپنے پیچھے کئی سوال چھوڑ گیا۔

سب کچھ اچانک ہوا، سارک کانفرنس کی تیاری کے دوران بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ کے دورے کے ایجنڈے کو حتمی شکل دی گئی تو اسلام آباد کے بھارتی سفارت خانے میں تعینات ڈپلومیٹ مادھوری گپتا کو بھی نئی دہلی سے بلاوا آ گیا۔ مادھوری کو ذرا بھی شک نہیں ہوا کیونکہ یہ بلاوا معمول کے مطابق تھا۔ اسے دہلی میں ہی فارن آفس رپورٹ کرنے کو کہا گیا تھا۔ وہ اسلام آباد سے دہلی کے لیے روانہ ہوئی اور اس کے جہاز نے دہلی کے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر لینڈ کیا تو اسے ریسیو کرنے کے لئے بھارتی فارن آفس کے افسران کی بجائے بھارتی خفیہ ادارے ''را'' اور آئی بی کے افسران موجود تھے۔ انہوں نے مادھوری کو حراست میں لے لیا۔ اس موقع پر مادھوری نے اپنے سفارت کار ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چوں چراں کرنے کی کوشش

کی لیکن ایئر پورٹ اتھارٹی کو پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا۔ جب مادھوری کی چوں چراں سے متاثر ہونے والے ایئر پورٹ افسران کو یہ پتہ چلا کہ مادھوری پر پاکستان کے لئے جاسوسی کرنے اور بعض حساس دستاویزات آئی ایس آئی کو دینے کو الزام ہے تو کسی کو بھی اُس سے ہمدردی نہ رہی۔ گرفتاری کے وقت مادھوری گپتا سے سات اہم کاغذات برآمد ہوئے جو ''را'' نے اپنے قبضے میں لے لیے۔ اس طرح مادھوری گپتا کی جاسوسی کے الزام میں گرفتاری پاکستان اور بھارت میں کسی بھی خاتون سفارت کار کی طرف سے تاریخ کا پہلا واقع بن گئی۔

مادھوری کو دہلی کے کنٹونمنٹ میں واقع ملٹری انٹیلی جنس کے سیف ہاؤس میں رکھا گیا اور جوائنٹ انٹروگیشن ٹیم نے اس سے تفتیش شروع کر دی۔ مادھوری کے خلاف انڈین وزارت خارجہ کی جانب سے آفیشل سیکرٹ ایکٹ کی خلاف ورزی کا مقدمہ درج کیا گیا۔ ابتدائی چارج شیٹ میں مادھوری پر الزام عائد کیا گیا کہ اس نے بحیثیت سکینڈ سیکرٹری اپنے حلف اور انڈین آفیشل سیکرٹ ایکٹ کی خلاف ورزی کی اور بعض ہم دستاویزات آئی ایس آئی کو فراہم کیں جو بھارتی نقطہ نگاہ سے اسٹریٹیجک اہمیت کی حامل تھیں۔ ان معلومات کی پاکستان کو فراہمی سے بھارت کی سلامتی داؤ پر لگ گئی۔

یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ کیا مادھوری کو پاکستانی انٹیلی جنس نے ٹریپ کر کے کوئی معلومات حاصل کی تھیں۔ یہ تفصیلات بڑی دلچسپ ہیں۔

بھارتی فارن سروس سے تعلق رکھنے والی مادھوری گپتا اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں۔ وہ بنیادی طور پر لکھنؤ کی رہنے والی تھی اور اس کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ مادھوری نے اپنی فارن سروس کے دوران ملائشیا، بغداد اور کوسوو میں بطور مترجم کام کیا۔ 7-2006 میں اس نے دہلی میں ہی خارجہ پالیسی کے تھنک ٹینک انڈین کونسل آف ورلڈ افیئرز میں بطور ڈپٹی ڈائریکٹر کام کیا۔ اردو اچھی بولنے اور لکھنے کی وجہ سے اُسے اسلام آباد کی انڈین ایمبیسی میں پوسٹنگ ملی۔ یہاں وہ پریس انفارمیشن آفیسر کے طور پر تعینات تھی۔ اسلام آباد میں اسے پاکستانی اخبارات، میگزین اور الیکٹرانک میڈیا میں ہندوستان سے متعلق خبروں اور مضامین کا اردو سے انگریزی میں ترجمہ اور

پاکستانی صحافیوں سے تعلقات بنا کر ہندوستان کے متعلق خبریں شائع کروانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔

اس قسم کی ذمہ داریوں سے عہدہ براہونے کے لیے پاکستان میں سوشل تعلقات اورمیڈیا کے لوگوں سے روابط رکھنا بہت ضروری ہیں اور مادھوری یہ کام بہت اچھے طریقے سے کررہی تھی۔

یہ بات کم لوگ ہی جانتے تھے کہ مادھوری گپتا کے سوشل تعلقات میں پاکستان کے اندر دوستیوں اور آؤ بھگت کا بڑا دخل تھا۔ خاص طور پر مادھوری گپتا پاکستان ایلیٹ کلاس کے حلقوں اور نوجوانوں میں ''پاپولر'' تھیں۔ اگرچہ اس کی عمر 45 سے 50 سال کے درمیان تھی لیکن سفارتی حلقوں میں اسے ''عمر چور'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ کچھ لوگ اسے آنٹی بھی کہتے تھے۔ ''آنٹی'' مادھوری گپتا کی دوستیاں پاکستانیوں کے اس حلقے میں بھی تھیں جو اُس کی اُردو دانی اور اخلاق کی بدولت اس کے قریب رہنا اور اسے اپنی تقریبات میں بلانا پسند کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مادھوری چونکہ سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس کا استعمال بھی کرتی رہتی تھیں اس لیے اس کا پاکستانی نوجوانوں میں حلقہ احباب انتہائی وسیع تھا۔ مادھوری گپتا کی اس مقبولیت سے بھارتی سفارت خانے کے اندر ہی اس کے بارے میں جیلسی پیدا ہوگئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ''آنٹی گپتا'' کی پاکستانی نوجوانوں کی جانب سے کی جانے والی پذیرائی نے اُس کے ساتھ کام کرنے والی بعض دیگر ہندوستانی سفارت کار ''آنٹیوں'' کو اُس سے جلنے پر مجبور کردیا تھا اور اُن ہی کی جانب سے ہندوستانی وزارت خارجہ کو گمنام ای میلز کی مدد سے اطلاعات فراہم کی گئیں۔

بھارتی انٹیلی جنس اداروں کو مادھوری پر شک ایک سال پہلے ملنے والی ایک ''ٹپ'' پر ہوا تھا اور اس کی سرگرمیوں کے بارے میں ہندوستانی وزارت خارجہ کی جانب سے ''را'' اور انٹیلی جنس بیورو کے ماہر افسروں کو مقرر کیا گیا تھا کہ وہ مادھوری گپتا کی جانب سے اسلام آباد اور ہندوستان میں کیے جانے والے رابطوں کی تفتیش کریں اور یہ بھی کھوج لگائیں کہ گپتا کا طرز رہائش کیسا ہے اور مالی معاملات کس طرح چل رہے ہیں اور کیا اس کے اخراجات اس کی موجودہ آمدنی سے مطابقت رکھتے ہیں۔ یا نہیں؟ اور اگر اس کا جواب ''نہیں'' میں ہے تو اس کی ٹیلی فون کالز کا کھوج

لگایا جائے۔اس کے پاس ایک سے زائد موبائل فونز سے کی جانے والی اور ان پر آنے والی کالز کو چیک کیا جائے کہ گپتا نے کب اور کہاں کال کی اور کہاں سے اس کے پاس کال آئیں؟

ہندوستانی انٹیلی جنس کو ملنے والی یہ ٹپ بڑی کار آمد ثابت ہوئی۔ بھارتی ایجنسیوں نے اس ضمن میں کوئی غلطی نہیں کی اور نہ صرف اپنے ذرائع کا استعمال کیا بلکہ مادھوری گپتا کے بارے میں اسلام آباد میں موجود اپنے دیگر دوست ممالک سے تعلق رکھنے والے سفارت کار دوستوں اور ان کے ذرائع کا بھی بھرپور استعمال کیا، جنہوں نے ہندوستانی انٹیلی جنس کو پکی خبر دی تھی کہ مادھوری گپتا کا معاملہ وہ نہیں ہے جو سمجھا جارہا ہے۔

مادھوری پر الزام تھا کہ وہ ہندوستانی اسٹریٹجک معلومات کا اُردو ترجمہ کرکے پاکستانی ہینڈلز کو فراہم کرتی تھی۔ کیوں کہ اس کے سوا ہائی کمیشن میں اُردو تحریر میں کوئی اور دسترس نہیں رکھتا تھا۔ بیشتر افسران اُردو بول تو لیتے ہیں لیکن ان کو روانی سے لکھ اور پڑھ نہیں سکتے۔ مادھوری گپتا کی اس بات پر ہندوستانی انٹیلی جنس ادارے یقین کرنے کو تیار نہیں تھے کہ وہ اہم معلومات پاکستانی ''ہینڈلز'' کو فراہم کرنے کے کام میں اکیلی تھی۔ ہندوستانی انٹیلی جنس نے یہ نتیجہ نکالا کہ مادھوری گپتا کسی نیٹ ورک کے ساتھ تھی اور اس کا نیٹ ورک فعال بنیادوں پر کام کر رہا تھا۔

بھارتی سکیورٹی ایجنسیوں نے مادھوری گپتا سے پوچھ گچھ کے دوران جموں وکشمیر کے ضلع راجوری میں مقیم ایک جوڑے کا پتہ چلایا جو فون اور ای میل کے ذریعہ باقاعدہ طور پر مادھوری سے اسلام آباد میں رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ راجوری میں مقیم اس خاتون نے کئی مرتبہ پاکستان کا دورہ بھی کیا تھا۔ اطلاعات کے مطابق فوج کا ایک سینئر عہدیدار اس علاقہ میں تعیناتی کے دوران راجوری میں مقیم جوڑے کے گھر بھی آیا جایا کرتا تھا۔ اس جوڑے سے اس کی کچھ رشتہ داری تھی لیکن اس کی اکثر و بیشتر آمدورفت پر سکیورٹی ایجنسیوں کو شبہ ہو گیا۔ اب مادھوری گپتا کے خلاف جو ثبوت اکٹھے کیے گئے۔ ان میں گپتا اور راجوری میں مقیم خاتون کے درمیان ای میل کے ذریعہ کی گئی بات چیت بھی شامل تھی۔ مادھوری گپتا دو موبائل فون استعمال کرتی تھی ان میں سے ایک پاکستانی نمبر تھا اور دوسرا ہندوستانی۔ اطلاعات کے مطابق مادھوری یہ سب پیسے کے لیے کررہی تھی۔

بھارتی وزارت خارجہ کے پاکستان سیکشن نے اس سلسلے میں تفتیش کا دائرہ بڑھا کر 250 اہلکاروں کے علاوہ وزارت دفاع، داخلہ اور خارجہ کے 30 سے زائد سینئر اہلکاروں کو بھی شامل تفتیش کیا۔ جبکہ پاکستان سیکشن کے اعلیٰ افسر این کے سنگھ نے بھارتی وزیر خارجہ کی خصوصی ہدایت پر تفتیش کا دائرہ پاکستان کے ہائی کمیشن تک بڑھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اسلام آباد میں متعین بھارتی ہائی کمیشن کے 17 اہلکاروں کو دہلی بلا کر تحقیقات کیں۔ اس کے علاوہ ڈی سی سطح کے 4 افسران کو بھی حراست میں لیا گیا جو مادھوری گپتا سے انٹرنیٹ کے ذریعہ دہلی سے اسلام آباد رابطے میں تھے۔

مادھوری نے اپنے پکڑے جانے پر نہ تو افسردگی کا اظہار کیا اور نہ ہی پشمان ہوئی۔ بظاہر سارک مذاکرات میں میڈیا کے رابطہ کار کی خدمات انجام دینے کے بہانے اسے دہلی بلائے جانے کے بعد اس کی گرفتاری پر مادھوری کے احساس برتری اور اس کی تلخی کو صاف طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ گرفتاری کے وقت اس نے طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا بھی تھا کہ "مجھے گرفتار کرنے میں آپ لوگوں نے اتنی تاخیر کیوں کی؟ جب یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ وہ جاسوسی کر رہی تھی تو وزارت خارجہ کے بعض افسروں کو اس پر کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ زیادہ تر ہندوستانی سفارت کار جس کے ساتھ مادھوری نے کام کیا تھا وہ اسے ایک اچھی اہلکار کے طور پر یاد کرتے ہیں۔

وزارت خارجہ کے تحت کام کرنے والے افسران میں بیشتر لوگ اسے اردو ادب کے ایک اسکالر کے طور پر جانتے تھے۔ ان لوگوں کے مطابق اس کے اندر مخصوص دانشورانہ فراست تھی اور وہ اکثر تصوف میں بے حد دلچسپی لیتی۔ اس نے فارسی کے صوفی شاعر جلال الدین رومی پر ڈاکٹریٹ بھی کرنا شروع کی تھی لیکن بعض غیر واضح اسباب کی بنا پر اس کی پی ایچ ڈی مکمل نہیں ہو سکی تھی۔ ممکن ہے کہ اس کے ذاتی، گھریلو مسائل کی وجہ سے اس کی پی ایچ ڈی مکمل نہ ہو سکی ہو جیسے کہ اس کی ماں اکثر بیمار رہا کرتی تھی۔ یا پھر وزارت خارجہ کو یہ ناپسند ہو کہ وہ ایک ایسے تعلیمی کام کے لیے تنخواہ کے ساتھ چھٹی پر رہے جس کا اس کی ملازمت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مادھوری جب وزارت خارجہ کے تحت شائع ہونے والے میگزین انڈین پرسپیکٹیو کے

معاون مدیر کی حیثیت سے بھی کام کر رہی تھی تو اس وقت ایسی افواہیں مستقل طور پر گردش کر رہی تھیں کہ اس کا ایک شادی شدہ شخص کے ساتھ معاشقہ ہے۔ اس وقت مادھوری کے اس شادی شدہ شخص کے ساتھ مبینہ معاشقہ سے متعلق سینئر حکام کو اس شخص کی بیوی کی طرف سے خطوط بھی ملے تھے۔ اس شخص کی بیوی نے اپنی شادی شدہ زندگی کو تباہ کرنے کا الزام بھی مادھوری پر عائد کیا تھا۔ اسی دوران مادھوری نے دفتر سے غیر حاضر رہنا شروع کیا۔ اپنی طویل غیر حاضری کے لیے اس نے اپنی ماں کی بیماری اور آئی سی ڈبلوائے میں سخت محنت کے سبب پیدا ہونے والے ذہنی دباؤ کو جواز بنایا۔ ایک سفارت کار نے مادھوری کے اس دور سے متعلق کہا کہ "یہی وہ وقت تھا جب مادھوری کے کام میں غلطیاں نظر آنے لگیں تھیں۔ ہم نے محسوس کیا کہ اس کی شخصیت میں ایک سنکی پن ہے۔"

مادھوری گپتا نے تفتیش کاروں کو بتایا کہ اسے اپنے کئے کا کوئی افسوس نہیں ہے۔ اہم خفیہ اطلاعات آئی ایس آئی تک پہنچانے کا یہ کام اس نے بدلا لینے کے مقصد سے کیا اور اسے اس کا کوئی افسوس نہیں ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں ملک کے خلاف کچھ کر رہی ہوں یا نہیں لیکن حساب برابر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مادھوری نے اس شخص کا نام مبشر رانا بتایا جسے وہ معلومات فراہم کرتی تھیں۔ اس کی عمر تقریباً 60 سال بتائی۔ اس کے علاوہ اس نے ایک اور پاکستانی انٹیلی جنس عہدیدار جمشید کا نام بھی بتایا جس کی عمر 30 سال سے کچھ زائد ہے۔ مادھوری نے تفتیش کاروں کو یہ بھی بتایا کہ ان کی یہ کاروائی انڈین فارن سروس کے عہدیداروں کی جانب سے ان سے روا رکھے جانے والے غلط سلوک کا نتیجہ ہے۔ ان تمام برسوں میں اس کے ساتھ اہانت آمیز رویہ روا رکھا گیا۔ وزارت خارجہ نے چار ماہ سے اس کی تنخواہ روک رکھی تھی اور ایک افریقی ملک میں اس کی پوسٹنگ ہونے کے بعد اسے ذاتی کار لانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مادھوری گپتا نے تفتیش میں یہ انکشاف بھی کیا کہ اسے ایک پاکستانی شخص سے محبت ہو گئی تھی۔ اسی محبت میں اندھی ہو کر اس نے کچھ اہم کاغذات اس کے سپرد کئے تھے۔

ذرائع کے مطابق مادھوری نے پریس ڈویژن کے سربراہ اپنے باس آر کے شرما کے بارے میں رانا مبشر کو معلومات فراہم کر کے پہلی غلطی کی تھی۔ اس نے رانا کو بتایا تھا کہ شرما کا تعلق

آئی ایف ایس سے نہیں۔ بلکہ وہ ہندوستان کی خفیہ ایجنسی ''را'' کے اسلام آباد میں اسٹیشن چیف ہیں۔ شرما کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کی حقیقت مادھوری کے ذریعہ عیاں ہو چکی ہے تو اُسی نے دہلی میں ''را'' کے اعلیٰ حکام سے مادھوری کی شکایت کی تھی۔ اس کے فوراً بعد ہی مادھوری کی کڑی نگرانی شروع ہو گئی۔

مادھوری کی نگرانی میں اس وقت شدت آئی جب اس نے ایسے معاملات میں دلچسپی لینا شروع کی جو اس کے عہدے سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ایک موقع پر یہ بات نوٹ کی گئی کہ اس نے شرم الشیخ میں بھارتی وزیراعظم منموہن سنگھ اور ان کے پاکستانی ہم منصب یوسف رضا گیلانی کے درمیان ہوئی گفتگو کے بارے میں پیدا ہونے والے تاثرات کو جاننے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مصر میں جاری ہوئے پاک، ہند مشترکہ اعلامیہ میں بلوچستان کو اسلام آباد کی فتح کے طور پر دیکھا گیا تھا اور بھارتی انٹیلی جنس کا خیال تھا کہ ایسے معاملات میں مادھوری کی مداخلت یقینی طور پر ایک ایک طے شدہ منصوبہ کا حصہ تھی۔

اس وقت ''را'' نے مادھوری کی نگہداشت کے لیے خفیہ ایجنسی (ایف بی آئی) کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور ساؤتھ بلاک کے ایک افسر کو مادھوری کی نگرانی کے کام پر مامور کیا گیا۔

ایک فیصلہ کن مرحلے پر اس کی غداری کو بغیر کسی شبہ کے ثابت کرنے کے لیے مادھوری کا ٹسس ٹیسٹ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اسے کچھ جعلی معلومات فراہم کی گئیں اور ایک بار جب یہ ثابت ہو گیا کہ پاکستانی انٹیلی جنس ان خبروں کو حاصل کرنا چاہتی ہے، مادھوری کو واپس ہندوستان بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن اس فیصلے کو عملی جامعہ پہنانے کے لیے بھی ایک حکمت کی ضرورت تھی کیونکہ اگر اسے اچانک واپس بلایا جاتا تو پاکستان کو شبہ ہو سکتا تھا۔ سارک مذاکرات نے اس کے لیے بہتر موقع فراہم کیا اور ان مذاکرات میں میڈیا سے رابطہ کاری میں معاونت کرنے کے لیے اسے دہلی بلانے کا جواز پیدا کیا گیا اور پھر اسے ائیر پورٹ سے ہی گرفتار کر لیا گیا۔ حالانکہ اس کے پڑوسیوں کا دعوئی تھا کہ انہوں نے کچھ دن قبل مادھوری کو دیکھا تھا۔

مادھوری کی گرفتاری اور اس سے سامنے آنے والی مفید معلومات کے بعد بھارتی خفیہ ایجنسی

را کے اسلام آباد دفتر کے اسٹیشن ہیڈ راجند کمار شرما بھی شک کے دائرے میں آ گئے۔ وہ مادھوری کے بارے میں پوری معلومات رکھتے تھے۔ شرما اسلام آباد کے بھارتی سفارت خانے میں قونصلر اکنامک اینڈ کمرشل ونگ کے طور پر تعینات تھے جوان کا کوتھا۔ انہیں بھی اسلام آباد سے واپس بلا کیا گیا۔

مادھوری کو مقدمے میں صرف دفتری راز کو افشا کرنے والے قانون آفیشل سیکرٹ ایکٹ کی خلاف ورزی کرنے کا ملزم قرار دیا گیا اور قومی سلامتی کی خلاف ورزی کرنے والے سخت قانون کے تحت اس پر کاروائی نہیں کی گئی۔ اس کا دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مادھوری کے خلاف الزامات کے باوجود عدالت میں یہ ثابت کرنا مشکل تھا کہ وہ پاکستان کے لیے جاسوسی کرتی تھی۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں، جب ہندوستانی افسروں پر جاسوسی کا الزام عائد ہوا اور وہ عدالت سے بری ہو گئے۔ لیکن مادھوری کے ساتھ کچھ مختلف ہوا۔ بھارتی عدالت نے 2018 میں تمام تر شواہد کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان کے لیے جاسوسی کرنے کے الزام میں اُسے تین سال قید کی سزا سنائی اور اس طرح یہ کیس اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

37

کلبھوشن یادو

دنیا بھر کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی تاریخ میں اتنے بڑے رینک کا آفیسر کبھی نہیں پکڑا گیا جتنا پاکستانی آئی ایس آئی نے کلبھوشن یادو کی صورت میں پکڑا۔ یہ انٹیلی جنس کی تاریخ کا ایک مشکل ترین آپریشن تھا۔ پاکستان میں تخریب کاری کرنے والے بھارتی انٹیلی جنس ''را'' کے سیکشن ہیڈ کو ٹریپ کر کے پاکستان بلایا گیا اور پھر وہ ہوا جو آئی ایس آئی کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ یہ آپریشن دنیا بھر کی انٹیلی جنس اکیڈمیوں کے اسباق میں ضرور پڑھایا جائے گا۔

پاکستان اور بھارت کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی تاریخ، آپریشنز اور دونوں کی ملکوں بڑی ایجنسیوں یعنی آئی ایس آئی اور ''را'' کی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوششوں پر نظر ڈالی جائے تو بہت سے واقعات ایسے ملتے ہیں جب آئی ایس آئی اور ''را'' ایک دوسرے کے مدمقابل آئیں اور کبھی ایک، تو کبھی دوسری ایجنسی ''چت'' ہو گئی۔ ایسے لاتعداد چھوٹے بڑے واقعات ہیں جب آئی ایس آئی اور ''را'' کے ایجنٹ، ہینڈلر اور ڈبل ایجنٹ پکڑے گئے لیکن یہ واقعات آج تک ان انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سیف ہاؤسز سے باہر نہیں نکل سکے۔ تاہم پاکستان سے ''را'' کے ایک اعلیٰ افسر کرنل ک کلبھوشن یادیو کی گرفتاری اور اعتراف جرم ایک ایسا واقعہ ہے جس کی دنیا بھر کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی، کیونکہ اس سے پہلے جاسوسی کی دنیا میں اتنے

بڑے رینک کا افسر کبھی پکڑا نہیں گیا۔ بلاشبہ اس کا کریڈٹ آئی ایس آئی کو ہی جاتا ہے جس نے کلبھوشن یادیو کو ٹریپ کیا اور اسے پاکستان بلا کر گرفتار کر لیا۔

کلبھوشن یادیو "را" میں پاکستان کے معاملات کا انچارج تھا اور ایران کے شہر چاہ بہار سے پاکستان میں تخریب کاری پھیلاتے ہوئے اپنے ہینڈلر کو کنٹرول کر رہا تھا۔ کلبھوشن نہ صرف بلوچستان میں ہونے والی تخریب کاری کو ہوا دے رہا تھا بلکہ کراچی کی بدامنی میں بھی اُسی کا ہاتھ تھا۔ تخریب کاری کا یہ نیٹ ورک وہ بلوچ علیحدگی پسندوں، کراچی کی کچھ سیاسی جماعتوں کے ارکان اور جرائم پیشہ افراد کی مدد سے چلا رہا تھا۔

کلبھوشن یادیو کون تھا؟ اور یہ کیسے اپنے ہینڈلر کے ذریعے پاکستان میں تخریب کاری کی وارداتیں کر رہا تھا؟ اسے کیسے ٹریپ کر کے پاکستان بلایا گیا اور پھر ایسا کیا جال بُنا گیا کہ وہ پاکستان میں ہوئے والی تخریب کاری کا اعتراف جرم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ بڑی دلچسپ کہانی ہے۔

کلبھوشن کا تعلق پولیس افسروں کے خاندان سے ہے۔ اس کا والد سدھیر یادیو ممبئی پولیس کا کمشنر رہا جبکہ چچا سبھاش یادیو باندرا پولیس سٹیشن کا انچارج تھا۔ یہ لوگ ممبئی کے مضافات میں پوائی میں رہتے ہیں۔

کلبھوشن یادیو نے 1987ء میں انڈین نیشنل ڈیفنس اکیڈمی جوائن کی اور یہ 1991ء میں انڈین نیوی کا حصہ بن گیا۔ ترقی کرتا ہوا نیوی میں کمانڈر بن گیا۔ یہ عہدہ لیفٹیننٹ کرنل کے برابر ہوتا ہے۔ 13 دسمبر 2001ء کو انڈین پارلیمنٹ پر حملہ ہوا۔ کلبوشن یادیو نے اس حملے کے بعد "را" جوائن کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ عارضی طور پر نیوی سے "را" میں چلا گیا۔ "را" تینوں فوجی سروسز کے افسران کو ہائر کرتی ہے اور ان سے اپنے مطلب کے کام لئے جاتے ہیں۔

جن دنوں کلبھوشن "را" میں شامل ہوا تو اجیت دھول اس زمانے میں انڈین انٹیلی جنس بیورو کا ڈائریکٹر تھا۔ اجیت دھول بلوچستان اور کراچی پر کام کر رہا تھا۔ اجیت دھول نے کلبھوشن یادیو کو "بلوچستان ونگ" میں بھجوا دیا۔ یہاں کلبھوشن نے دو سال ٹریننگ لی۔ فارسی اور بلوچی زبان سیکھی۔ حسین مبارک پٹیل کے جعلی نام سے پونا سے پاسپورٹ بنوایا اور یہ ایران کے ساحلی

شہر ''چاہ بہار'' آ گیا۔ کلبھوشن نے چاہ بہار میں کارگو کمپنی کھول لی۔ یہ کمپنی کھولنے کا مقصد بڑا واضح تھا۔

چاہ بہار کو بھارت اور ایران گوادر کے مقابلے کی بندرگاہ بنانا چاہتے ہیں۔ چاہ بہار گوادر سے متصل ساحلی شہر ہے۔ را یہاں بیٹھ کر گوادر اور اقتصادی راہداری کو آسانی سے نشانہ بنانا چاہتی ہے۔ اسی لئے یہاں بھارت نے اپنا انٹیلی جنس بیس قائم کر رکھا ہے۔ یہ دفتر بھارت نے ایران کی باقاعدہ اجازت سے بنا رکھا ہے۔ مقصد صرف اس کا یہ ہے کہ ایران کی نظروں کے سامنے تو گوادر کی بجائے چاہ بہار کی بندرگاہ کو سامنے لایا جائے جبکہ پس پردہ بھارت گوادر اور پورے بلوچستان پر نظر رکھ سکے اور یہیں سے پورے پاکستان میں تخریب کاری کر سکے۔

بھارت دراصل کلبھوشن یادیو کی کارروائیوں کو ایران سے بھی خفیہ رکھنا چاہتا تھا۔ کلبھوشن یادیو، حسین مبارک کے نام سے تاجر بن کر ایران پہنچا۔ کلبھوشن 2004ء اور 2005ء میں کراچی بھی آیا اور یہاں بھی اس نے اپنے رابطے استوار کئے۔ آہستہ آہستہ یہ ترقی کرتا ہوا پاکستان آپریشن کا سربراہ بن گیا۔ یہ ایک بڑا عہدہ تھا۔ بجٹ کی بھی کمی نہیں تھی۔ بھارت نے کلبھوشن کو چار سو ملین ڈالر (یہ رقم پاکستانی روپوں میں 41 ارب روپے بنتی ہے) دیئے۔ اتنی بڑی رقم دینے کا مقصد صرف پاکستان کو نقصان پہنچانا تھا۔ کلبھوشن نے یہ رقم بلوچ علیحدگی پسندوں اور کراچی میں بدامنی پھیلانے والے گروپوں میں تقسیم کر دی۔ کلبھوشن نے یہاں رہ کر حربیار مری، براہمداغ بگٹی اور عزیر بلوچ جیسے لوگوں سے بھی رابطے کئے اور یہ ایم کیو ایم کے لوگوں سے بھی رابطے کر کے انہیں بدامنی پھیلانے کے لئے فنڈز دیئے۔

آئی ایس آئی کو اس بارے میں معلومات مل چکی تھیں۔ کراچی میں آپریشن کا آغاز ہوا اور بلوچستان میں علیحدگی پسندوں نے دھڑا دھڑ ہتھیار ڈال کر پاکستان کا ساتھ دینا شروع کیا تو واقعات کی کڑیاں ملنا شروع ہوئیں۔ آئی ایس آئی بلوچستان اور کراچی آپریشن کے دوران حسین مبارک پٹیل تک جا پہنچی۔

آئی ایس آئی کو پتہ چلا کہ بلوچستان کے علیحدگی پسند ہوں، کراچی کے مافیاز ہوں یا پھر ملک

میں خودکش حملہ آوروں کے ماسٹر مائینڈ، یہ تمام لوگ چاہ بہار سے آپریٹ ہو رہے ہیں۔ وہیں سے انہیں ہدایات ملتی ہیں اور رقم بھی وہیں سے بھجوائی جاتی ہے۔ آئی ایس آئی نے اس دوران ایسا جال بچھایا کہ کلبھوشن کی ہر حرکت سے انہیں آگاہی حاصل ہوتی رہی۔ کلبھوشن کی بھارتی لوکیشن بھی آئی ایس آئی کے نوٹس میں آتی رہی۔ اس طرح یہ شخص آہستہ آہستہ پاکستانی ایجنسیوں کے سامنے کھلتا چلا گیا یہاں تک کہ جنرل راحیل شریف اور ڈی جی آئی ایس آئی جنرل رضوان نے اسے پکڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ پاکستان کی انٹیلی جنس کی تاریخ کا ایک مشکل ترین آپریشن تھا کیونکہ کلبھوشن عام جاسوس نہیں تھا۔ یہ پاکستان کے خلاف تمام بھارتی آپریشنز کا سربراہ تھا۔ یہ "فیلڈ آپریٹر" تھا اور دنیا میں آج تک کوئی ملک کسی دوسرے ملک کے اتنے بڑے انٹیلی جنس آفیسر کو نہیں پکڑ سکا لیکن آئی ایس آئی نے یہ تاریخ بدل دی۔

آئی ایس آئی نے ایک منصوبہ بنایا اور اپنے لوگوں کو کلبھوشن کے نیٹ ورک میں داخل کیا گیا۔ یہ لوگ بلوچ علیحدگی پسندوں میں بھی داخل ہو گئے اور کراچی کی بدامنی کے ذمہ داروں میں بھی گھل مل گئے۔ اس طرح پاکستانی انٹیلی جنس نے کلبھوشن کے مدمقابل ایک نیٹ ورک تشکیل دے دیا۔ اس نیٹ ورک کے باوجود آئی ایس آئی کو کلبھوشن یادیو کو پاکستان لانے میں ڈیڑھ سال لگ گیا۔

آئی ایس آئی کے لوگ بلوچ علیحدگی پسندوں میں اپنی جگہ بنانے کے بعد آہستہ آہستہ حسین مبارک سے براہ راست رابطے میں آئے اور آخر میں ان لوگوں نے اسے پاکستان کی ایک انتہائی اہم شخصیت کے اغواء اور قتل کا ایک "فول پروف" منصوبہ پیش کیا۔ یہ منصوبہ اگر کامیاب ہو جاتا تو پاکستان کی عالمی سطح پر بے حد بدنامی ہوتی تھی۔

اس منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے کلبھوشن خود بھی ایکٹو ہو گیا۔ اس منصوبے نے دراصل کلبھوشن یادو عرف حسین مبارک پٹیل کو پاکستان آنے پر مجبور کر دیا۔

3 مارچ 2016ء کو کلبھوشن یادو نے ایران سرحد کراس کی اور پاکستان آ گیا۔ یہ بلوچستان

کے ضلع خاران کی تحصیل ماشکیل آیا اور یہیں اسے گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا۔

کلبھوشن کوئی عام جاسوس نہیں تھا کہ اتنی آسانی سے ہاتھ آ جاتا۔ گرفتاری کے بعد اس نے ہاتھ پاؤں مارے اور فرار ہونے کے علاوہ اپنی گرفتاری کو غلط فہمی قرار دے کر نکلنے کی کوشش کی لیکن اسے پکڑنے والے عام لوگ نہیں تھے بلکہ پورے آپریشن کے منظر اور پس منظر سے آگاہ تھے۔ اس لئے کلبھوشن کی ایک نہ چلی اور اسے آئی ایس آئی کے ایک خفیہ سیل میں منتقل کر دیا گیا۔

کلبھوشن کے پاس گرفتاری کے بعد دو آپشن تھے۔ یہ حسین مبارک پٹیل کی شناخت پر ڈٹا رہتا۔ ٹارچر سہتا اور اس دوران دنیا سے گزر جاتا یا پھر یہ خود کو فوج کا حاضر سروس آفیسر ڈکلیئر کر کے قانون کے مطابق مراعات حاصل کرتا۔ کلبھوشن سمجھدار تھا، اس لئے اس نے ایسا ہی کیا۔

اس نے اپنی شناخت ظاہر کر دی اور تفتیش کاروں سے تعاون کرنے لگا۔ یوں پاکستان نے اسے جنگی مجرم کا سٹیٹس اور حاضر سروس آفیسر کی تمام مراعات دے دیں۔

کلبھوشن یادیو کے سامنے جب چھپانے کو کچھ نہ رہا تو اس نے اپنے سارے رابطے پاکستان کے حوالے کر دیئے۔ کلبھوشن کی اطلاعات پر ملک کے مختلف حصوں سے چار سو لوگ گرفتار ہوئے۔ اسلحے کی بھاری کھیپ بھی برآمد ہوئی اور سیاسی جماعتوں میں چھپے ملک دشمن عناصر بھی سامنے آ گئے۔

کلبھوشن ''را'' کے 13 اہم لوگوں سے بھی رابطے میں تھا اور ان سے براہ راست احکامات لیتا تھا۔ یہ لوگ بھی سامنے آ گئے۔ تفتیش کے دوران کلبھوشن سے ان لوگوں کو فون بھی کرائے گئے اور ان کی گفتگو بھی ریکارڈ کی گئی۔ پاکستانی مجرموں نے بھی کلبھوشن سے رابطوں، فنڈز، اسلحہ اور مختلف آپریشنز کا اعتراف کر لیا۔

آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر جنرل لیفٹیننٹ جنرل عاصم باجوہ نے پریس کانفرنس کے دوران بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کے گرفتار ایجنٹ کی اعترافی بیان کی ویڈیو چلائی جس میں کلبھوشن یادیو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا نظر آیا۔ یہ اعتراف بھارت کے منہ پر بہت بڑا طمانچہ تھا اور اس اعتراف نے بھارت کو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا۔

اسلام آباد میں کلبھوش یادیو کی اہل خانہ سے ملاقات کا منظر

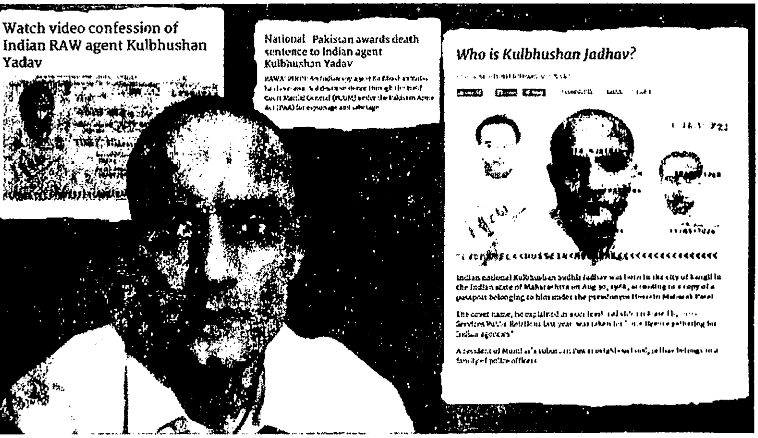

کلبھوشن یادیو نے بتایا کہ وہ ممبئی کا رہائشی اور بھارتی نیوی کا حاضر سروس افسر ہے جس میں اس کا تعلق ٹیکنیکل ڈیپارٹمنٹ سے ہے جب کہ نیوی میں اس کا نمبر 41558 زیڈ ہے۔اس نے 1987 میں نیشنل ڈیفنس اکیڈمی میں شمولیت اختیار کی جس کے بعد جنوری 1991 میں انڈین نیوی میں اس کی شمولیت بطور کمیشن آفیسر ہوئی جہاں سے اس کی بطور کمیشن افسر ریٹائرمنٹ 2022 میں ہونا تھی۔ وہ دسمبر 2001 تک انڈین نیوی میں خدمات سرانجام دیتا رہا، اس کے بعد بھارتی پارلیمنٹ پر حملہ ہوا اور یہ وہ وقت تھا جس کے بعد 2002 میں اپنی 14 سالہ نیوی کی سروس کے بعد 2003 میں بھارتی خفیہ ایجنسیوں کے لیے جاسوسی کے فرائض سرانجام دینا شروع کر دیئے۔اس کے لیے اپنا کوڈ نام حسین مبارک پٹیل رکھا جو بھارتی ایجنسیوں کے لیے کام کرنے کی وجہ سے اپنایا۔

کلبھوشن یادیو نے مزید اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ وہ جاسوسی کے لیے ایران چلا گیا اور چاہ بہار میں اپنا ایک چھوٹا کاروبار شروع کر دیا، اس دوران 2003 اور 2004 میں اپنے خفیہ نام کے ساتھ کراچی کے کئی دورے کیے جن کا مقصد ''را'' کے لیے کچھ بنیادی اہداف پورے کرنا تھا۔ اس کے عوض اسے 2013 کے اواخر میں بھارت کی سب سے بڑی خفیہ ایجنسی ''را'' میں شامل کرلیا گیا۔ کلبھوشن نے بتایا کہ بطور ''را'' آفیسر اسے بلوچستان اور کراچی میں امن و امان کی صورتحال خراب کرنے کا ہدف بھی دیا گیا تھا جب کہ پاکستان میں دہشت گردی کی کارروائیوں کا مقصد عوام میں خوف ہراس پھیلانا تھا۔

کلبھوشن یادیو نے اپنے اعتراف میں بتایا کہ وہ ''را'' کے جوائنٹ سیکرٹری انیل کمار گپتا کے ماتحت کام کرتا ہے، انیل کمار گپتا کے پاکستان میں موجود رابطوں میں خاص طور پر بلوچ اسٹوڈنٹ تحریک کو چلانا اس کا کام تھا۔ ''را'' کی طرف سے بلوچ باغیوں کے لیے فنڈنگ بھی کی جاتی تھی جب کہ اس کا کام بلوچ باغیوں کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھنا، ان کی مدد اور اشتراک سے کارروائیاں کروانا تھا۔ یہ کارروائیاں مجرمانہ اور قومی سالمیت کے خلاف تھیں جنہیں دہشت گردانہ کارروائیاں کہہ سکتے ہیں اور ان کا مقصد شہریوں کو ہلاک کرنا یا نقصان پہنچانا تھا۔

کلبھوشن یادیو نے بتایا کہ اس پورے عرصے میں اسے پتا چلا کہ بلوچ لبریشن کی کارروائیوں میں بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' پوری طرح ملوث ہے اور ان کارروائیوں کی زد میں پاکستان اور اردگرد کا خطہ بھی شامل ہے، ان تمام تر سرگرمیوں کا زیادہ دائرہ کار اس کی معلومات پر مبنی ہوتا جو کہ گوادر، پسنی جیونی اور پورٹ کے گرد بہت ساری دوسری تنصیبات پر مشتمل ہوتیں جن کا مقصد بلوچستان میں موجود تنصیبات کو نقصان پہنچانا اور بلوچ لبریشن میں مجرمانہ سرگرمیوں کی ذہنیت کو مضبوط کرنا ہوتا تھا تاکہ پاکستان کو عدم استحکام کی طرف دھکیلا جائے۔

کلبھوشن کے مطابق وہ 3 مارچ کو ''را'' کے افسران کی طرف سے اسے دیئے گئے مختلف اہداف کے حصول کے لیے پاکستان جارہا تھا جہاں داخل ہونے کا بنیادی مقصد بلوچ علیحدگی پسندوں کے ساتھ بلوچستان میں کارروائیاں کرنے کے لیے میٹنگ کرنا اور وہ پیغامات بھارتی ایجنسیوں کو دینا تھے۔ میٹنگ کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ ''را'' مستقبل میں بلوچستان میں کچھ بڑی کارروائیاں پلان کرنا چاہتی تھی اور کارروائیوں کے متعلق بلوچ علیحدگی پسندوں سے بات چیت کرنا تھی لیکن ایران کے ساراوان باڈر سے پاکستان کی سرحد عبور کرتے ہوئے وہ پاکستانی حکام کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔

کلبھوشن نے بتایا کہ اسے پتہ چل گیا کہ اس کے انٹیلی جنس آپریشن ناکام ہوچکے ہیں اور وہ پاکستانی حکام کی حراست میں آچکا ہے جس کے باعث اس نے اپنی شناخت ظاہر کردی۔

پاک فوج نے کلبھوشن یادیو کا کورٹ مارشل 1952 کے پاکستان آرمی ایکٹ کی دفعہ 59 اور 1923 کے آفیشل سیکرٹ ایکٹ کی دفعہ 3 کے تحت کیا اور اس دوران اسے مکمل قانونی معاونت فراہم کی گئی۔ کلبھوشن یادیو نے مجسٹریٹ اور عدالت کے روبرو اس بات کا اعتراف کیا کہ اسے ''را'' نے پاکستان میں جاسوسی اور اسے عدم استحکام سے دوچار کرنے کی منصوبہ بندی اور رابطہ کاری کی ذمہ داری سونپی تھی۔ اس کے علاوہ بلوچستان اور کراچی میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کی امن عامہ کی صورتحال بہتر بنانے کی کوششوں کو سبوتاژ کرنا بھی اس کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔

فوجی کارروائی کے دوران کلبھوشن پر لگائے گئے تمام الزامات درست پائے گئے جس پر اسے سزائے موت سنادی گئی۔

کلبھوشن کی گرفتاری سے "را" کو جو حذیمت اٹھانا پڑی، وہ بھارت کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ پہلے تو بھارت نے روایتی طریقے اپناتے ہوئے انکار کیا لیکن ثبوت اتنے تھے کہ بھارتی ذمہ داران کے لئے دفاعی انداز اختیار کرنا بھی مشکل ہو گیا۔ چنانچہ بھارت نے کلبھوشن یادو کو اپنا جاسوس تسلیم کر لیا اور اس کی رہائی کے لئے لابنگ شروع کر دی۔ عالمی عدالت انصاف میں اس مقدمے کو لے جانے کا مقصد بھی پاکستان پر دباؤ ڈال کر کلبھوشن کو رہا کروانا ہے۔